تالیف

مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی

رئیس شعبہ تخصص علوم حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

استاذ الحدیث جامعۃ الرشید ○ احسن آباد ○ کراچی

عہدِ نبوی میں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فقہی تربیت

مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی
رئیس شعبۂ تخصص علوم حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی
استاذ الحدیث جامعۃ الرشید ۰ احسن آباد ۰ کراچی

مکتبۃ الکوثر

سلسلہ مطبوعات مکتبۃ الکوثر (۵)

کتاب: عہد نبوی میں صحابہ کی فقہی تربیت

(نتائج وثمرات)

مؤلف: مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

تعداد جلد: 1

ضخامت کتاب: ۱۹۲ صفحات۔

سن طباعت: ۱۴۳۷ھ۔ ۲۰۱۶ء

تعداد: ۱۱۰۰ (گیارہ سو)

ناشر: مکتبۃ الکوثر، بلاک B، سیکٹر 11، مکان نمبر: 121، جامعۃ الرشید، احسن آباد، کراچی۔

0331-3298552

﴿ملنے کا پتہ﴾

مکتبۃ الکوثر: بلاک B، سیکٹر 11، مکان نمبر: 121، جامعۃ الرشید، احسن آباد، کراچی۔

مکتبۃ الشیخ: 445/3، بہادر آباد، کراچی۔

اسلامی کتب خانہ: بالمقابل جامع مسجد نیو ٹاؤن، علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، کراچی۔

مکتبہ سلطان عالمگیر: 5، لوئر مال بالمقابل گائے شاہ، اردو بازار، لاہور۔

مکتبہ سید احمد شہید: اردو بازار، لاہور۔

مکتبہ رشیدیہ: سرکی روڈ، کوئٹہ۔

دارالاخلاص: محلہ جنگی، پشاور۔

فہرست مضامین اجمالی

پیش لفظ

مسلمہ اصول ہے کہ کسی بھی معاملہ میں سمجھدار اور نا سمجھ، عالم اور غیر عالم برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی وجہ سے نا سمجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر معاملہ میں سمجھدار اور جاننے والے شخص سے رجوع کرے اور اس کی بات پر اعتماد کرے؛ اسی وجہ سے نا سمجھ سمجھدار سے پوچھتا اور اس پر اعتماد کرتا ہے تا کہ دینی اور دنیوی نقصان سے بچتا رہے۔

دین و شریعت کے مزاج سے شناسی اور اس کے نصوص کے حقیقی معانی ومطالب کی گہری معرفت ہی کو "فقاہت" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ فقہاء کا تیار کرنا رسول اللہ ﷺ کے فرائض نبوت میں شامل تھا، اسی وجہ سے حضور ﷺ نے مکی زندگی ہی میں فقہاء کی ایک جماعت تیار فرمائی تھی، ان میں ایک حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے، طبقات ابن سعد میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ انصار مدینہ نے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں خط لکھا تھا جس کہ الفاظ یہ تھے "ابعث الینا رجلا یفقھنا فی الدین ویقرئنا القرآن" کہ ہمارے پاس ایک ایسے شخص کو بھیجیں جو فقہ کی تعلیم دے اور قرآن پڑھائے، تو نبی کریم ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اس ادائیگی کے لیے مدینہ منورہ بھیجا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۷۹ھ) نے اپنی کتاب "سنن الترمذی" میں جن فقہاء صحابہ کہ مذاھب کو نقل کیا ہے ان کی تعداد ۲۶ ہے، اور اسی طرح ۳۶ فقہاء تابعین اور ۱۸ اتبع تبعین، اور اس کے بعد کے حضرات ہیں جن کہ مذاہب کا تذکرہ موصوف نے اپنی کتاب السنن میں کیا ہے۔ کل فقہاء ترمذی کی تعداد ۷۷ ہے۔ جن میں ایشیاء وافریقہ ویورپ تک کہ حضرات شامل ہیں، اس سے جہاں فقہاء کرام کے بلند و بالا مقام کا پتہ چلتا ہے، وہیں خیر القرون کہ ان فقہاء کرام کی بھی نشاندہی ہو جاتی ہے جن کہ مذاہب پر عمل کیا

جاتا تھا۔امام ترمذی رحمہ اللہ کا یہ طرز عمل ان کے اس تاریخی قول کا آئینہ دار ہے، جو انہوں نے فقہاء کی شان میں ارشاد فرمایا ہے: "وھم اعلم بمعانی الحدیث۔"[1] یعنی فقہاء ہی معانی حدیث کے زیادہ جاننے والے ہیں۔

"سنن الترمذی" امام موصوف کا ایسا کارنامہ ہے جس کی نظیر صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں نہیں ملتی، اس کی وجہ اس کا اس خوبی کا جامع ہونا ہے جس سے صحاح ستہ کی دوسری کتب خالی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس سے وہ لوگ بھی فائدہ اٹھاتے ہیں جن کو تقلید سے بیر ہے۔

راقم الحروف کی کتاب "عہد نبوی ﷺ میں صحابہ کی فقہی تربیت" اسی موضوع کو اجاگر کرنے کے سلسلہ میں کی گئی ایک ادنیٰ سی کوشش ہے، جو سب سے پہلے "السیرہ عالمی" شمارہ نمبر ۷، ربیع الاول ۱۴۲۳ھ، بمطابق مئی ۲۰۰۲ء میں دو قسطوں میں شائع ہوئی تھی، پھر اس کے بعد اس میں اضافے ہوتے رہے، اور اب یہ نئی طباعت اور جدید اضافوں کے ساتھ ہدیہ ناظرین ہے۔

جس کی تصحیح و کمپوزنگ کے جملہ مراحل شاگرد رشید "سعد علی صدام بن امتیاز حسین" (طالب علم شعبہ تخصص فی علوم الحدیث، سال اوّل، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی) نے پایہ تکمیل تک پہنچائے، اور یہ ایسے کام بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر معاون کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عہدِ نبوی میں صحابہؓ کی فقہی تربیت

نتائج وثمرات

کتاب وحکمت کی تعلیم دینا رسول اللہ ﷺ کے فرائضِ منصبی میں سے تھا۔ چنانچہ آیت شریفہ میں ہے:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ (۱)

وہ انہیں کتاب الٰہی اور دانائی کی تعلیم دیا کرے۔

یہاں حکمت سے کیا مراد ہے؟ نامور مفسر ومجتہد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر حلال وحرام کا فہم، دینی تفقہ اور فقہی بصیرت سے کی ہے (۲)

یہی معنی حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے منقول ہیں، امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی یہی معنی مراد لئے ہیں۔ (۳) ائمہ اصول میں امام سرخسی رحمہ اللہ نے "اصول السرخسی" اور امام بزدوی رحمہ اللہ نے "اصول البزدوی" کے آغاز میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول "التفقہ فی الدین" (فقہی بصیرت) کو نقل کیا ہے۔

بعض مفسرین اور امام شافعی رحمہ اللہ حکمت سے "سنت" مراد لیتے ہیں۔ (۴)

۱۔سورہ بقرہ: آیت ۱۲۹۔ ۲۔فتح القدیر للشوکانی: ۱/۲۶۲، تخریج احادیث اصول بزدوی لابن قطلوبغا: ص ۴۔

۳۔الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۲/۳۳۰۔ ۴۔الرسالہ للامام شافعی ص ۵۶۔

بعض نے دانائی مراد لی ہے۔(۱) یہی ائمہ لغت کے اقوال ہیں۔(۲) لیکن فقہی بصیرت، سنت اور دانائی وغیرہ سب قریب قریب ہم معنی ہیں سب کا حاصل تفقہ، رائے واجتہاد اور فقہی بصیرت کا استعمال ہے۔(۳)

خاتم رسل، محسنِ انسانیت ﷺ نے رائے واجتہاد اور فقہی بصیرت پر عمل کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو کہ خیر امت ہیں کو کس طرح اس سے آشنا اور خوگر کیا۔ اور کس طرح اس کے استعمال کا طریقہ سکھایا، اور تربیت کی، کیسے ان میں مجتہدین تیار کئے، کس طرح اس طریقہ اجتہاد و رائے کی ہمت افزائی فرمائی اور کس انداز سے فقہی بصیرت اور رائے پر پسندیدگی اور مسرت کا اظہار فرمایا۔ کس طریقے سے شریعت میں رائے واجتہاد کی گنجائش و سہولت فراہم کی۔ اور کن کن نصوص وآیات نے اس سلسلے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی رہنمائی کی، مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کس طرح اس سنت متوارثہ پر عمل پیرا و کاربند رہے، اسلامی قلمرو کس طرح اس کے ثمرات ونتائج سے بہرہ ور ہوتا رہا اور خیر امت نت نئے مسائل کا حل نکال کر راہ نجات حاصل کرتی رہی؟ اس کا جائزہ اس مختصر مقالے میں پیش کیا گیا ہے، یوں یہ مقالہ خیر القرون میں رائے واجتہاد اور فقہی بصیرت کے استعمال کی ایک تاریخی دستاویز کا جامع بن سکا ہے۔

آغاز بحث سے پہلے "تفقہ فی الدین" (فقہی بصیرت) کی اہمیت پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

فقہی بصیرت اللہ تعالیٰ کی بہت پسندیدہ نعمت ہے جو وہ اپنے محبوب اور پسندیدہ بندوں کو عطا کرتا ہے، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ المتوفی ۷۲۸ھ فرماتے ہیں۔

"عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال: "من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين"(۴)

۱-ایضاً۔ ۲-بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز: ۲/۴۹۰۔ ۳-الجامع لاحکام القرآن: ۱۴/۱۳۶

۴-صحیح البخاری: ص ۲۹/حدیث ۷۱، مسلم: ۲/۱۲۸، ترمذی: ۱/۹۳، ابن ماجہ: ۱/۷۰/حدیث ۲۲۰، دارمی: ۱/۷۰ حدیث ۲۲۵، احمد: ۱/۵/۱۱/حدیث ۷۲۹۰۔

ولازم ذلک أن من لم یفقهه اللّٰه فی الدین لم یرد به خیراً فیکون الفقه فی الدین فرضاً۔ والتفقه فی الدین: معرفة الاحکام الشریعة بادلّتها السمعیة، فمن لم یعرف ذلک لم یکن متفقها فی الدین"۔(1)

رسول اللہ ﷺ سے حدیث مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں تفقہ (فقہی بصیرت) عطا کرتا ہے۔
اس کا لازمی اثر یہ ہے کہ جسے تفقہ کی نعمت سے سرفراز نہیں فرماتا اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ نہیں ہوتا، دین میں تفقہ بقدر استطاعت وطاقت ہر مسلمان پر فرض ہے۔
تفقہ فی الدین مجتہد کا شرعی احکام کو دلائل نقلیہ سے جاننا ہے۔ اس حقیقت کو جو نہیں سمجھتا وہ دین میں تفقہ، فقہی بصیرت یعنی خیر الٰہی سے بہرہ ور نہیں۔

تفقہ کی حقیقت

تفقہ فی الدین اور فقہی بصیرت ایسی عظیم نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پسندیدہ بندوں کو عطا کی جاتی ہے، حسب تصریح امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس کا مصداق مجتہدین وفقہاء ہیں، اس لئے کہ وہی دلائل نقلیہ سے مسائل کا استنباط کرتے اور تفریع مسائل کرتے ہیں، اس نعمت سے جو محروم ہیں وہ ان محبوبان الٰہی کو "اصحاب الرائے" کے نام سے پکارتے۔ اور کہتے ہیں:

"انه من أصحاب الرأی"

وہ اصحاب الرائے سے ہے ان الفاظ سے ان پر طعن وتشنیع کرتے ہیں۔

1- مجموعہ فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۲۰/۲۱۲

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے سطور بالا میں جس رائے کا ذکر کیا ہے وہ اسلام میں متواتر و متوارث سنت رہی ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

نصوص کے زیر اثر رائے کی قدر و قیمت

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا بیان سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ رائے جو ہوئی وہوس پر قائم ہو "شر" ہے۔ شریعت میں لائق ملامت اور حرام ہے، اور وہ رائے جو دلائل نقلیہ اور شرعی نصوص کی روشنی میں مجتہد کی اجتہادی سرگرمی اور فقہی بصیرت سے معرض وجود میں آتی ہے، شریعت میں "خیر" سمجھی جاتی اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، چنانچہ مجتہد اگر اپنی سعی میں کامیاب ہوتا ہے تو اسے دہرا اجر عطا کیا جاتا ہے اور اگر اس سے اس میں خطا ہوتی ہے تو بھی اس کی حق جوئی کی سرگرمی کے صلے میں اسے اکہرا اجر دیا جاتا ہے، چنانچہ "صحیح البخاری" میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اذا حكم الحاكم فاجتهد فاصاب فله أجران، وإذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر"۔ (1)

حاکم و قاضی جب فیصلہ کرنے کا ارادہ کرے، اجتہاد کرے اور اپنے اجتہاد میں حق تک رسائی حاصل کرے۔ تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اس نے جب اجتہاد سے فیصلہ کیا اور اس میں اس سے چوک ہوئی تو اسکے لئے ایک اجر ہے۔

وہ فقہی بصیرت جس کا ذکر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اوپر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے پسندیدہ نعمت قرار دیا ہے۔

1- صحیح البخاری:۴/۱۲۰۳/حدیث ۷۳۵۲، مسلم :۱/۴۲۰/حدیث ۲۲۱۴، ابوداؤد:۴/۲۸/۳۵۷۴، ابن ماجہ :۴/۹/حدیث ۲۳۱۴۔

''اجتہاد و قیاس اور فقہی بصیرت'' ایک حقیقت کی مختلف تعبیرات

یہ فقہی بصیرت اور اجتہاد و قیاس ایک حقیقت کی مختلف تعبیرات ہیں، چنانچہ اصطلاح میں اس عمل کو قیاس سے تعبیر کیا جاتا ہے فقہا اس کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"القياس في الشرع تقدير الفرع بالأصل في الحكم والعلة"(۱)

حکم اور علت میں اصل کے ساتھ فرع کا اندازہ لگانا (اور ان میں باہمی مطابقت و موافقت کو) جانچنا پرکھنا شرع میں قیاس ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا ''رائے'' کے متعلق ارشاد اور اس کا مطلب:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رائے کی مذمت میں حسب ذیل الفاظ منقول ہیں:

"أيّ أرض تقلني، أيّ سماء تظلني"

کہ میں اپنی رائے سے دین میں کوئی بات کہوں تو کونسی زمین مجھے جگہ دے گی اور کونسا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہوگا؟

اس کا مطلب اور اس کی مراد یہ ہے کہ میں نص (صریح حکم اور دلیل) کی موجودگی میں اپنی رائے سے کوئی بات کہوں۔(۲)

یہی وجہ ہے کہ صریح دلائل کی موجودگی میں اجتہاد کرنا جائز ہی نہیں، نہ کبھی کسی نے ایسا کیا ہے اور نہ کسی کو ایسا کرنے کی شریعت میں اجازت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

"إياكم وأصحاب الرأي"۔(۳)

اصحاب الرائے سے بچو کہ انہیں حدیثیں یاد کرنے نے تھکا دیا، حدیثیں پوری

۱- فتح الغفار: لابن نجیم: ۳/۸   ۲- اصول الجصاص: ۲/۲۲۵   ۳- ایضاً: ۲/۲۲۶

یاد نہ کر سکے اور رائے زنی شروع کر دی۔

اول تو یہ باتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر منقول نہیں (اس لئے لائق توجہ نہیں) دوسری بات یہ ہے کہ اس سے مراد وہ اصحاب الرائے ہیں جو ہوائے نفسانی کا شکار ہوں اور بغیر نظیر و قیاس کے رائے دیتے اور کتاب و سنت اور اجماع کے اصول کو نظرانداز کرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"لو كان الدين بالقياس لكان باطن الخف اولى بالمسح من ظاهره"

اگر دین کا مدار قیاس پر ہوتا تو چمڑے کے موزے کے نچلے حصے پر مسح کرنا زیادہ بہتر ہوتا اوپر کے حصہ پر مسح کرنے سے۔

"انه رای رسول الله صلى الله عليه وسلم: يمسح ظاهر الخف دون باطنه"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چرمی موزے کے ظاہری حصہ پر مسح کرتے دیکھا نہ کہ باطنی حصے پر، اس لئے فرماتے ہیں: میں ظاہر حصہ پر مسح کرتا ہوں۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ شریعت کے اصول قیاس کے طریقہ سے ثابت نہیں۔ ان کا طریقہ توقیفی (رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا سکھایا ہوا ہے) یہ اللہ کی طرف سے مقرر کئے گئے اصول ہیں۔[۱]

اور حضرت مسروق رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا وہ فرماتے تھے:

"قرّاؤكم و صلحائكم يذهبون ، يتخذ النّاس رؤ ساً جهالاً يقيسون الامور برائيهم "[۲]

تمہارے قاری اور نیک لوگ اٹھتے جا رہے ہیں لوگوں نے جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیا جو رائے زنی کرنے لگے ہیں۔ (یہاں بھی مذمت ایسی رائے کی ہے جو اصول منصوصہ کے خلاف ہوتی ہے)

اسی بناء پر اصول منصوصہ سے ناواقف ہونے کے باوجود قیاس و رائے سے

۱۔ ایضاً۔ ۲۔ اصول جصاص: ۲/۲۳۶۔۲۳۹

فیصلہ کرنا جائز نہیں۔(۱)

حضرت مسروق رحمہ اللہ کا یہ قول:

"لا اقیس شیئا بشئی فانی اخاف أن تزل قدمی۔(۲)"

میں ایک شئ کو دوسری شئ پر قیاس کرنے سے ڈرتا رہتا ہوں کہ میرا قدم (راہ حق سے) نہ ڈگمگا جائے۔ یہ کہنا احتیاط کی وجہ سے تھا۔

امام جصاص رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ بات مسروق رحمہ اللہ کی رائے وقیاس میں احتیاط اور غلطی سے بچنے پر دلالت کرتی ہے۔(۳)

علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے تھے:

"اوّل من قاس ابلیس"۔

سب سے پہلے جس نے نص کے مقابلے میں قیاس کیا وہ شیطان تھا۔(۴)

ان کا مقصد یہ جتانا تھا کہ نص کی موجودگی میں قیاس کرنا درست نہیں۔ حدیث و آثار میں جہاں رائے کی مذمت آئی ہے وہاں نصوص کے مقابلے میں رائے زنی کرنا ہے جو کسی طرح درست نہیں۔ اس سے مراد وہ آراء ہیں جن کی بنا فاسد قیاسات پر ہوتی ہیں نہ کہ شرعی قیاس پر۔

اجتہاد کا محل ومقام

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ نص (حکم صریح) جہاں نہیں ہوتی، یا نص میں کئی احتمال کی گنجائش ہوتی ہے ایسی جگہ مجتہد اجتہاد کرتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو پھر کسی مجتہد کو اجتہاد کی حاجت نہیں، نہ کبھی کوئی مجتہد اجتہاد کی جرأت کرسکتا ہے، اور انہی جگہوں میں (جہاں نص نہ پائی جاتی ہو یا پھر نص میں کئی احتمال موجود ہوتے ہوں) مجتہد کی تقلید کی جاتی ہے۔(۵)

رائے کی مذمت میں جو اقوال بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے (سنن الدارمی وغیرہ

۱-ایضاً۔ ۲-ایضاً۔ ۳-ایضاً۔ ۴-ایضاً۔ ۵-ایضاً:۲۳۸۔

میں) پیش کیے گے ہیں، ان کا مطلب بھی ہے کہ "کتاب اللہ" اور "سنتِ رسول ﷺ" اور "اجماع" کے اصول سمجھنے اور یاد کرنے سے پہلے رائے کا استعمال کرنا اور اجتہاد کرنا صحیح نہیں۔ (۱) انہی وجوہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کوئی واقعہ اور نیا مسئلہ وحادثہ رونما ہوتا تو وہ حاضرین صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کا شرعی حکم معلوم کرتے اور اس کے متعلق یہ پوچھتے تھے کہ کسی کے پاس اس مسئلے میں کوئی حدیث موجود ہے؟ اس پر بس نہیں کرتے بلکہ اسلامی قلمرو میں بھی صحابہ کرام لکھ کر معلوم کرتے تھے۔ پھر اپنی رائے (اور فقہی بصیرت) سے فتویٰ دیتے تھے۔ (۲)

اجتہاد کے ناگزیر ہونے کے دو سبب

اجتہاد کے قائل ہونے اور اس پر عمل کرنے کے دو سبب ہیں، پہلا سبب یہ ہے رسول اللہ ﷺ نے اس پر عمل کیا اور اسی طریقے پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعلیم وتربیت کی، صحابہؓ نے اسے سمجھا، اس پر عمل کیا، چنانچہ وہ اس کے قائل اور اس پر کاربند رہے وہ کسی نہ کسی درجہ میں اس صفت سے آراستہ تھے ان میں سے کسی کو اس کے جواز میں کسی قسم کا تامل و تردد نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی اجتہاد کا منکر نہیں پایا گیا۔

ہر ایک جانتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کا جانشین وخلیفہ اجتہادی رائے سے مقرر کیا، اور انہوں نے اجتہاد کو دین وشریعت کا رکن سمجھا، ایسا اگر نہ ہوتا تو اجتہاد اور اجتہادی رائے پر ان کا اتفاق نہ ہوتا۔

دوسرا سبب یہ ہے قیاس اور اجتہاد کرنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع واتفاق حجت ہے؛ اس لئے اس میں اختلاف کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں اور نہ اس سے باہر رہ کر کچھ کہنے کی اجازت ہے۔ (۳)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنے اجتہاد کے متعلق یہ فرمانا:

"اقول فیھا برای فان یکن صواباً فمن اللہ وان یکن خطاءً فمنی"۔ (۴)

(کلالہ وہ میت جس کی نہ اولاد ہو نہ ماں باپ کے متعلق) جو کہتا ہوں یہ میری

۱- ایضاً۔ ۲- اصول جصاص ۲/ ۲۲۹۔ ۳- ایضاً۔ ۴- ایضاً: ۲۳۰-۲۳۱۔

رائے ہے۔ اگر درست ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور اگر یہ غلط ہے تو یہ میری غلطی اور بھول چوک ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حق تک رسائی اور اس کی جستجو میں صواب و خطا دونوں کا احتمال ہوتا ہے، اس لئے مجھے یہ کہنے میں ذرا باک نہیں کہ یہ میرا قیاس و رائے ہے، یہ درست ہے تو حق کا فیضان ہے کہ اس نے مجھے حق کی راہ سجھائی، ورنہ میری خطا اور بھول چوک ہے۔ تاہم یہ اس کا کرم ہے حق کی جستجو اور کوشش کے صلے میں مجھے ایک اجر عطا کرتا ہے، یہ بات شریعت میں اجتہاد کے جواز اور پسندیدہ ہونے کی صریح دلیل ہے۔

مجتہدین کو قرآن کی ہدایت

قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں مجتہدین کو اجتہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

"وَشَاوِرْهُمْ فِى الْأَمْرِ ج"(۱)

اور ان معاملات میں مشورہ لیتے رہیئے۔

یہ آیت تمام امور میں عام ہے اس لئے کہ اس "الامر" میں الف لام جنس کا داخل ہے اس میں حضور اکرم ﷺ سے خطاب ہے اور ہم بھی تبعاً اس کے مخاطب ہیں، اس لئے کہ اس میں ہمیں چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے۔(۲)

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

"فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِى شَىْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ"۔(۳)

اور اگر تم میں اختلاف ہو جائے کسی چیز میں تو اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا لیا کرو۔

اس آیت میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ "رد الی اللّٰہ" سے مراد "کتاب اللہ" اور "رد الی الرسول" سے رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کرنا مراد ہے۔ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں اس بات کا صریح حکم کو ڈھونڈتا ہے اور قرآن کا

۱- سورہ آل عمران، آیت ۱۵۹۔ ۲- الجصاص: ۲/۲۶۸۔ ۳- سورۃ النساء: آیت ۵۹۔

یہ حکم تمام باتوں کے لئے آیا ہے۔

اور تیسری جگہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلَوْ رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُوْلِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهُ مِنْهُمْ" (۱)

اور اگر یہ لوگ اسے رسول اللہ ﷺ کے یا اپنے میں سے صاحبان امر کے حوالہ کرتے تو ان میں سے جو لوگ استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں اس کی حقیقت بھی جان لیتے۔

یہ بھی مذکورہ اوصاف کے ساتھ تمام باتوں میں عام ہے۔

اور چوتھی جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَاعْتَبِرُوْا يٰاُولِي الْأَبْصَارِ" ○ (۲)

سو اے دانش والو (دانش مندو)، عبرت حاصل کرو۔

یہ آیت بھی ہر بات کے لئے ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے تمام حوادث و واقعات میں جن کے متعلق قرآن و سنت کی صریح اور صاف ہدایت موجود نہیں، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کرنے کو درست قرار دیا۔

فقہی بصیرت نہ رکھنے والوں کا حکم

ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ "باب القول فی تقلید المجتہد" میں رقم طراز ہیں:

وہ عامی شخص جو اجتہاد کا اہل ہی نہیں ہے جب کسی نئی صورت حال سے دوچار ہو جائے تو اسے اہل علم سے پوچھنا چاہئے، اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے۔ (۳)

چنانچہ فرمایا گیا ہے:

"فَاسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" ○ (۴)

سو اگر تم لوگوں کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھو۔

۱۔ ایضا: آیت ۸۳۔ ۲۔ سورۃ الحشر: آیت ۲۔ ۳۔ اصول الجصاص ۲/۳۷۱

۴۔ سورۃ النحل: آیت ۴۳، اصول جصاص: ۲/۳۷۱۔

اور دوسری جگہ حکم دیا گیا ہے:

"فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْآ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ "○(۱)

یہ کیوں نہ ہو کہ ہر ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلا کرے تا کہ یہ (باقی لوگ) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تا کہ یہ اپنی قوم والوں کو جب وہ ان کے پاس واپس آجائے ڈراتے رہیں، عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں۔

یہاں امت مسلمہ کو پیش آنے والے واقعات وحوادث میں اہل علم کے قول کو قبول کرنے کا حکم ہے۔ چنانچہ امت مسلمہ کو صریح حکم دیا گیا کہ فقہاء کی ایک جماعت تیار کریں جو دینی امور میں ان کی رہنمائی کے فرائض انجام دے، چنانچہ امت مسلمہ کے فقہاء عہد صحابہ رضی اللہ عنہم (پہلی صدی) اور دور تابعین رحمہم اللہ اور اس کے بعد سے اب تک (چودھویں صدی ہجری تک) فقہی بصیرت سے امت مسلمہ کی برابر رہنمائی کرتے رہے ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی فقہی تربیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس ورائے (فقہی بصیرت) کو خود بھی بعض مواقع میں استعمال فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی نہایت سیدھے سادھے انداز سے اس طریقے کو سمجھایا اور اس کی تربیت کی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے گونا گوں شعبوں میں ان کی تربیت جس انداز سے کی اس کے کچھ نمونے ملاحظہ فرمائیں:

حج کی ادائیگی

ایک صحابی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: میری بہن نے حج کرنے کی نذر مانی تھی، وہ حج نہ کر سکی اور مر گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱- سورۃ التوبہ: آیت ۱۲۲۔

”لو كان عليها دين أكنت قاضيه؟ قال: نعم قال: فاقض دَيْنَ اللّٰهِ فَهُوَ احق بالقضاء “۔(۱)

تیری بہن پر اگر قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتا؟ بولا: جی ہاں، فرمایا اس کو ادا کر، اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کو ادا کیا جائے۔

یہاں حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے قرض کو انسان کے قرض پر قیاس کیا، یہ علت دونوں میں موجود ہے۔ ان میں سے ہر فرض کی ادائگی ضروری ہے۔

اسی طرح خثعمیہ نامی ایک خاتون نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میرے باپ پر حج ہے۔ لیکن وہ بہت بوڑھا ہے، سواری پر بیٹھ نہیں سکتا، کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے، اس پر قرض ہوتا تو تم وہ ادا کرتی، تو کیا وہ کافی ہو جاتا؟ اس نے کہا: جی ہاں! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو اللہ کا قرض ادا کرنا زیادہ ضروری ہے۔(۲) اس سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ نے ایک خاتون کو بھی فقہی بصیرت سے آشنا کر دیا۔

میاں بیوی کی معاشرتی زندگی کا پہلو

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا کہ میرے لیے مسجد سے چھوٹی کھجور کی جا نماز اٹھا دو۔ میں نے عرض کیا کہ میں تو حائضہ ہوں، فرمایا: حیض آپ کے ہاتھ میں تو لگا ہوا نہیں ہے (اس کا دائرہ تو شرمگاہ تک محدود ہے)۔(۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس وقت رسول اللہ ﷺ سے یہ بات عرض کی کہ ایک دن میں خوشی میں تھا، میں نے روزے کی حالت میں بیوی کا بوسہ لیا۔ (تو کیا روزہ جاتا رہا؟) رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: غور کرو اگر تم نے روزے کی حالت میں منہ میں پانی لیا اور اسے منہ میں پھرایا، کلی کی تو کیا ہوگا؟ بولے یہ کوئی حرج کی بات نہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو کیا ہوا؟ روزہ پانی کے حلق سے اترنے سے ٹوٹے گا؟ اگر پانی حلق سے

۱۔ صحیح البخاری: ۱۶۰۴/۲ رحدیث ۱۶۹۹۔ ۲۔ نسائی: ۳۲۳/۲، ابن ماجہ: ۳۰۹/۳ رحدیث ۲۹۰۹۔

۳۔ صحیح مسلم: ۳/۲۰۲ رحدیث ۶۸۶، ترمذی: ۱/۱۷۷، ابوداؤد: ۱/۲۷۷، نسائی: ۱/۱۳۲، ابن ماجہ: ۱/۱۵۰۔

نہیں اترا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا؟[۱] یہاں صرف بوسہ لینا یہ صورت ایسی ہے جیسے منہ میں پانی ڈالا اور وہ حلق سے نیچے نہ اترا۔ روزہ برقرار رہا، علت دونوں میں یکساں ہے لہٰذا جو حکم ایک کا ہے وہی حکم دوسرے کا ہوگا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ عرض کیا کہ: مالدار صدقہ خیرات کرتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، وہ آخرت میں ہم سے بازی لے جائیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بھی یہ کرتے ہو، میں نے عرض کیا وہ صدقہ کرتے ہیں، ہم صدقہ خیرات نہیں کرتے، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لئے بھی صدقہ ہے۔ تمہارا راستے سے ہڈی اٹھانا صدقہ ہے، تمہارا گناہ سے بچنا بھی صدقہ ہے، تمہارا کمزور کی مدد کرنا صدقہ ہے، اور تمہارا اپنی بیوی سے ہمبستری کرنا صدقہ ہے، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہمیں اپنی شہوت پوری کرنے پر اجر دیا جاتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ذرا غور کرو اور دیکھو) اگر تم یہی کام اپنی بیوی کے علاوہ کسی اور کے ساتھ کرتے تو کیا تم گنہگار نہ ہوتے؟ میں نے کہا: جی ہاں! تو کیا تم اپنے آپ کو شر و بدکاری سے نہیں روکتے ہو، اور کیا تم یہ نیک کام انجام نہیں دیتے ہو،[۲] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس کیا، قیاس کے طریقے سے ان کی رہنمائی فرمائی۔

معاملاتی پہلو

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت سفر میں کسی قبیلے میں اتری (اس زمانے میں ان میں مہمان داری عام تھی، لیکن انہوں نے نہیں پوچھا اور ہوٹل وغیرہ کا اس زمانے میں رواج نہ تھا) اتفاقاً اس قبیلے کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا، انہوں نے اس کے علاج کی کوشش کی وہ سودمند نہ ہوئی، قبیلے کے کچھ لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ان لوگوں سے بھی پوچھو چنانچہ انہوں نے کہا کیا تم میں کوئی سانپ کے کاٹے کا علاج جانتا ہے؟ ان میں سے ایک بولا: جی ہاں، میں جانتا ہوں، میرے پاس اس کا منتر ہے لیکن تم نے ہماری مہمان داری نہیں کی۔ اس لئے ہم بھی بلا اجرت اس پر

۱- ابوداؤد: ۲۳۸۵، الحاکم: ۱/۴۳۱، الفتح الربانی: ۱۰/۵۴۔

۳- مسند احمد: ۵/۱۵۴۔

جھاڑ پھونک نہیں کریں گے، چنانچہ بکریوں کے ایک مختصر گلے پر معاملہ طے ہوگیا وہ صحابی گئے اور اس نے الحمد شریف پڑھ کر دم کیا، سانپ کا زہر اتر گیا، چنانچہ معاملے کے مطابق جو طے تھا وہ انہیں دیا گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بعض نے کہا یہ آپس میں تقسیم کرو، چنانچہ دم کرنے والا بولا: یہ ابھی نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر تقسیم کریں گے، چنانچہ مدینہ آ کر یہ قصہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ الحمد اس کا منتر ہے؟ (انہوں نے عرض کی الحمد شریف ہر مرض سے شفا ہے) آپ نے فرمایا: تم نے ٹھیک کیا، باہم تقسیم کرو اور میرا بھی ایک حصہ رکھو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (۱)

یہاں صحابی رضی اللہ عنہ نے منتر کے عوض اجرت کو دوا کے عوض واجرت پر قیاس کیا، اس لئے کہ علت جامعہ دونوں میں عوض واجرت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اجتہاد کی وجہ سے دوہرے اجر ملنے کی خوشخبری سنائی ہے۔ مذکورہ بالا حدیثوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ نئے مسائل کے حل میں اجتہاد نہایت کامیاب ترین طریقہ ہے۔ نیز اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوجاتی ہے کہ اصول فقہ کے مبادی عہد رسالت ہی میں ظاہر ہوگئے تھے۔ (۲)

تجارت کے پہلو

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لعن اللہ الیھود حرمت علیھم الشحوم فحملوھا فباعوھا"۔ (۳)

یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھٹکار ہو، (گردے، آنتیں، اور معدے کی) چربیاں ان پر حرام کی گئی تھیں۔ انہوں نے اس کو چھوڑا نہیں، انہوں نے ان سے مالی فائدہ اٹھایا، انہیں بیچا اور بیچ کر اس کی قیمت کھائی۔

۱- صحیح البخاری: ص ۳۸۶/ حدیث ۲۲۷۶، صحیح مسلم: ۱۴/ ۳۰۹-۳۰/ حدیث ۵۶۹۷، ترمذی: ۳/ ۵۷۹، ابوداؤد: ۳/ ۳۵۳/ حدیث ۳۴۱۸، ابن ماجہ: ۳/ ۵۲۰/ حدیث ۲۰۶۳، احمد: ۱۵/ ۵/ حدیث ۱۹۸۵، الوصول الی قواعد الاصول: ۱۴_۱۹ ۲- ایضاً: ص ۱۹_ ۳- صحیح البخاری: ص ۶۱۷/ حدیث ۳۴۳۶

چربی سے فائدہ اٹھانا حرام تھا، انہوں نے اس کی قیمت سے فائدہ اٹھایا، یہاں دیکھئے "اکل" (کھانا) بھی (باعث) انتفاع تھا اور خرید و فروخت کر کے مالی فائدہ اٹھانا بھی (باعث) انتفاع ہے۔ دونوں میں علت (انتفاع) یکساں موجود ہے تو حکم بھی دونوں کا یکساں ہوگا۔

رنگ روپ کا پہلو

رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ: میرے یہاں کالا بچہ پیدا ہوا ہے، رسالت مآب ﷺ نے پوچھا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں موجود ہیں، رسول اکرم ﷺ نے پوچھا: ان کے رنگ کیسے ہیں؟ اس نے بتایا وہ سرخ ہیں، پھر سرور عالم ﷺ نے اس سے پوچھا: ان میں کوئی خاکی رنگ کا بھی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں موجود ہے۔ سرور کونین ﷺ نے فرمایا وہ کہاں سے آیا؟ اس نے کہا ممکن ہے مادہ کی کسی رگ نے یہ رنگ کھینچ لیا ہو، رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: تو تیرے بیٹے کا رنگ بھی کسی رگ نے کھینچ لیا ہوگا۔ (۱)

ملاحظہ فرمائیں! کہ حضور اکرم ﷺ نے باپ بیٹے کے رنگ روپ کے اختلاف کو اونٹ کے رنگ روپ کے اختلاف پر قیاس کیا۔ اور آدمی کو بھی فقہی بصیرت کا ڈھنگ بتا دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے قیاس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک چیز کا حکم اس کی نظیر سے پیش کر کے بتاتے تھے۔ (۲) چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا! تمہاری بیوی سے ہمبستری کرنا بھی صدقہ و خیرات کا حکم رکھتا ہے۔ صحابی نے عرض کیا، کیا ہمیں اس شہوت کی تسکین کرنے میں بھی اجر دیا جاتا ہے؟ رسالت مآب ﷺ نے اس سے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تم یہ کام اپنی بیوی کے علاوہ کسی اور عورت کے ساتھ کرتے تو تم گنہگار نہ ہوتے؟ (معلوم ہوا جہاں نکاح کی علت نہ پائی جائے گی وہاں یہ کام گناہ اور حرام ہوگا) صحابی نے عرض کی: جی ہاں ہوتا، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: کہ جس طرح تمہارا برے

۱- صحیح البخاری: ۱۲۱۴/۵۳۰۵، مسلم: ۱۳۷/۲، ابوداؤد: ۲/۲۸۱، حدیث ۲۱۸۰، نسائی: ۳/۳۷۶، ابن ماجہ: ۳/۲۱۲، احمد: ۱۱۵/۱۲

۲-۱-۱ اصول الجصاص: ۲/۲۲۳۔

کام پر مواخذہ اور گناہ ہوگا، اسی طرح خیر کے کام پر اجر ملے گا، تو دیکھئے رسول اللہ ﷺ نے قیاس کیا اور محظور کا مقابلہ مباح سے کر کے یہ واضح فرمایا کہ جس طرح محظور کے ارتکاب پر گناہ اور محاسبہ ہوتا ہے اس کے مقابل مباح کے ارتکاب پر اجر ملتا ہے۔

بصیرت کے استعمال کی ترغیب اور ہمت افزائی

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ دو آدمی جھگڑتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمرو! ان کے درمیان فیصلہ کرو، انہوں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ مجھ سے زیادہ اس کے حقدار ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں اس کے باوجود تم کرو، انہوں نے عرض کی، اس فیصلے پر مجھے کیا ملے گا؟ میں کیونکر فیصلہ کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم نے ٹھیک فیصلہ کیا تو تمہارے لئے دس نیکیاں ہیں اور اگر تم نے اجتہاد کیا اور اس میں بھول چوک ہوئی تو تمہیں ایک نیکی ملے گی۔(۱) اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح سے مروی ہے۔

شرائط صلح کی پابندی میں قیدی صحابی رضی اللہ عنہ کی فقہی بصیرت

صلح حدیبیہ ۶ھ کے بعد حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ جب مشرکین کے چنگل سے بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آگئے تو صلح حدیبیہ کی شرط کے مطابق قریش نے دو آدمی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجے۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ حضور اکرم ﷺ شرط کے مطابق ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو انہیں واپس کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں واپس کر دیا، جب مدینہ سے باہر نکلے تو ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک کو جان سے مار ڈالا اور دوسرا بھاگ کر واپس حضور اکرم ﷺ کے پاس آ گیا اور ابو بصیر کے کارنامے کی خبر کی، ابو بصیر رضی اللہ عنہ "سیف البحر" (ساحل سمندر) جا پہنچے۔ یہ خبر جب مکہ میں کچھ مسلمانوں کو لگی تو وہ بھی ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے جا ملے اور مشرکین پر حملے شروع کئے۔(۲)

ابو بصیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی یہ کام اپنے اجتہاد سے کرتے رہے اور حضور اکرم

۱۔ مسند احمد: ۴/۲۰۵، اصول الجصاص ۴/۲۱۶۔ ۲۔ صحیح البخاری، رقم الحدیث ۲۷۳۲۔

ﷺ نے ان پر کوئی نکیر اور گرفت نہیں کی، اس لئے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی حدود و شرائط سے خارج تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ کے مسلمانوں کو جو خط ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے جاملنے کے لئے لکھا تھا، وہ حضور اکرم ﷺ کی اجازت سے نہیں لکھا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس پر نکیر بھی نہیں کی۔ اور نہ حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے کافر کو قتل پر کوئی گرفت کی اور نہ ان کے قیام ساحل سمندر پر کوئی باز پرس کی۔ اور نہ ان سے جاملنے والوں پر کچھ گرفت کی، اس لئے کہ یہ ان کی فقہی بصیرت اور اجتہادی فکر ونظر کا نتیجہ وثمرہ تھا اور درست تھا۔

نماز کی امامت میں فقہی بصیرت

اسی طرح حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: قوم وقبیلے میں جو سب سے بڑا قاری ہو وہ امامت کرے اور قرأت میں سب برابر ہوں تو جو ان میں سنت کا سب سے بڑا عالم ہو وہ امامت کرے، چنانچہ دو ہم رتبہ اور قریب قریب میں سے ایک کو زیادہ بڑا قرار دینا اجتہادی امر ہے۔(۱)

حضور اکرم ﷺ کا حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے یہ فرمانا کہ تم اپنی کمزور قوم کے امام ہو، لہٰذا کمزور ترین کی اقتدا کا خیال رکھو، کمزور ترین کو جاننا اجتہادی طریقے سے ہی ہوسکتا ہے۔(۲)

نماز میں شک اور فقہی بصیرت سے فیصلہ

اسی طرح نماز کے اندر شک میں مبتلا شخص کا ظن غالب پر عمل کرنا یہ بھی ایک اجتہادی امر ہے۔

امان وسفارش

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دودھ شریک بھائی عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جن کے قتل کا حکم رسول اللہ ﷺ نے دے دیا پھر بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں

۱- اصول الجصاص: ۲/۲۲۳۔ ۲- ایضاً۔

''امان'' دی اور انہیں حضور اکرم ﷺ کے پاس لاکر بیعت کی سفارش کرتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ اس خیال سے کہ اس کے قتل کا حکم دیا جا چکا ہے، کوئی اسے آکر قتل کردے کچھ دیر رکے رہے۔ جب کوئی آگے نہ بڑھا تو رسالتمآب ﷺ نے اس کو بیعت کرلیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ''امان دہی اور سفارش'' اجتہادی کام تھا۔ اس لئے رسول اللہ نے ان پر نکیر نہیں کی۔ (۱)

میدان جنگ میں انتخاب امیر

رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ موتہ ۸ھ میں لشکر روانہ کیا تو فرمایا تھا کہ جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب (۸ھ/۶۲۹ء) شہید ہو جائیں تو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ۸ھ/۶۲۹ء) کو امیر لشکر بنایا جائے یہ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ۸ھ/۶۲۹ء) کو امیر بنایا جائے، یہ بھی شہید ہو گئے تو لشکر بغیر امیر لشکر رہ گیا، یہاں صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور کی ہدایت کے مطابق اپنی فقہی بصیرت سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ۲۱ھ/۶۴۲ء) کو امیر لشکر چن لیا، جب دربار رسالت ﷺ میں اس امر کی اطلاع کی گئی تو رسول اکرم ﷺ نے اس اجتہادی عمل کو درست قرار دیا۔ (۲)

طہارت میں پانی پر قادر نہ رہنے میں فقہی رہنمائی

اسی طرح غزوۂ ذات السلاسل ۷ یا ۸ ہجری میں سردی کی رات، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو احتلام ہو گیا، چنانچہ انہیں یہ ڈر ہوا کہ اگر میں نہایا تو ہلاکت کا خطرہ ہے۔ تیمم کیا اور صبح (فجر) کی نماز پڑھائی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس واقعہ کا تذکرہ رسالت مآب ﷺ سے کیا، حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"یا عمرو اصلیت باصحابک و انت جنب ؟"

اے عمرو! تم نے احتلام کی حالت میں اپنے رفقا کو نماز پڑھا دی؟

(حضرت عمرو فرماتے ہیں) نہ نہانے کی میں نے وجہ بتائی اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ

۱- اصول الجصاص: ۲/۲۲۳۔ ۲- ایضاً: ۲/۲۱۶۔

کا ارشاد ہے:

"وَلَا تَقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ○" (۱)

حضور اکرم ﷺ نے اس قیاس شرعی کو تسلیم کیا، نہ کوئی گرفت کی نہ ملامت اور تقریباً آپ نے ان کے اجتہاد اور فقہی بصیرت کو درست قرار دیا۔ (۲)

یہاں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جان کی ہلاکت کی صورت کو تیمم کے جواز کی صورت پر قیاس کیا، کیونکہ دونوں صورتوں میں علت مشترکہ پانی کے استعمال پر قادر نہ رہنا ہے۔ (۳)

"عن ابی سعید رضی اللّٰہ عنہ: ان رجلین تیمما و صلیا ثم وجدا ماءً فی الوقت فتوضأ احدھما وعاد لصلاته ما کان فی الوقت ولم یعد الاخر فسألا النبی ﷺ، فقال للذی لم یعد: "اصبت السنة، واجزأتک صلاتک، وقال للاخر: "اما انت فلک مثل سھم جمع۔" (۴)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو شخصوں نے تیمم کر کے نماز پڑھی، پھر وقت کے رہتے رہتے پانی مل گیا، ایک نے وضو کر کے نماز لوٹائی اور دوسرے نے نماز نہیں لوٹائی۔ پھر ان دونوں نے بارگاہ رسالت ﷺ میں جا کر یہ واقعہ بیان کیا، اور اس کے متعلق حکم پوچھا۔

جس شخص نے نماز نہیں لوٹائی، اس سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے سنت کے مطابق عمل کیا، تم نے جو نماز پڑھی وہ کافی ہوگئی، اور دوسرے شخص سے فرمایا: تم کو ثواب کا پورا حصہ ملے گا، یعنی تم نے دونوں نمازوں کا ثواب پایا۔ (اس نے اپنے اجتہاد کی وجہ سے دوہرا اجر پایا۔

"عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنھما قال: قال النبی ﷺ یوم الاحزاب: "لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظة" فادرک بعضھم العصر فی

۱- سورۃ النسآء: آیت ۲۹۔ ۲- ابوداؤد: ۱/۱۴۵/حدیث ۳۳۴۔

۳- سنن نسائی: ص ۹۴۔ ۴- الاحکام: ۵/۹۴۔

الطريق، فقال بعضهم: "لا نصلّي حتّٰی تأتيها" وقال بعضهم: "بل نصلّي لم يرِد منّا، ذالك" فذكر ذالك للنبيّ ﷺ فلم يعنّف واحداً منهم۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: آنحضرت ﷺ نے جنگ خندق ۵ھ میں (جب جنگ ہو چکی) یوں فرمایا: تم میں سے ہر شخص عصر کی نماز بنی قریظہ کے پاس پہنچ کر پڑھے۔ اب نماز کا وقت راستے میں آ پہنچا۔ تو بعض نے کہا: ہم تو جب تک بنی قریظہ کے پاس نہ پہنچ لیں گے۔ عصر کی نماز نہیں پڑھیں گے۔ اور بعض نے کہا: ہم نماز پڑھ لیتے ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا یہ مطلب نہ تھا کہ ہم نماز قضا کریں۔ پھر بارگاہ رسالت ﷺ میں اس واقعہ کا ذکر آیا، رسول اللہ ﷺ نے کسی پر خفگی نہیں کی، ہر ایک کے عمل کو درست قرار دیا۔

عہدِ رسالت میں دو مجتہد کی اجتہادی آراء

نماز کا وقت راستے میں ہو گیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں دو جماعت ہو گئیں، ایک نے راستے میں وقت پر نماز ادا کی، اور دوسری جماعت نے بنی قریظہ میں وقت نکل جانے کے بعد نماز پڑھی، دونوں کا انداز فکر و نظر جداگانہ تھا۔ ایک جماعت کی رائے تھی کہ نماز وقت پر ادا کرنے کا حکم ہے۔ لہٰذا نماز کا وقت راستے میں آ گیا ہے۔ یہیں ادا کرنا ہے۔ دوسری جماعت نے بنی قریظہ میں جا کر نماز پڑھی۔ دونوں کی نیت بخیر تھی، اس لئے کسی پر ملامت و گرفت نہ کی۔

اس انداز تربیت سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ مجتہد ہر اس مسئلے میں جس میں نص موجود نہ ہو، اپنی فقہی بصیرت پر عمل کر سکتا ہے، اس کی رائے درست نہ ہو تو بھی اس سے مواخذہ نہ ہو گا، بلکہ حق کی جستجو میں جو کوشش کی ہے اس کا ایک اجر ملے گا جیسا کہ دوسری حدیث سے ثابت ہے۔[2]

قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ حدیث مذکور کی شرح میں رقم طراز ہیں۔

"قال الامام: هذا فيه دلالة، على أن الأثم موضوع في مسائل الفرع و ان كل

۱۔ ترجمہ مسلم، وحید الزمان: ۳/۱۳۶۔ ۲۔ ایضاً۔

مجتهد غير ملوم فيما اداه اجتهاده اليه، بخلاف مسائل الأصول، و كان هؤلا لمّا تعارضت عندهم الأدلّة، فالأ مر بالصلاة لو قتها يو جب تعجيلها قبل وصول بني قريظة، و الأمر بألايصلي إلّا في بني قريظة يوجب التاخير، وإن فات الوقت، فايّ الظاهرين يقدم،وايّ العمومين يستعمل؟ هذا موضع الإشكال، وللنظر فيه مجال۔

قال القاضي : مفهوم مراد النبي ﷺ الاستعجال الى بني قريظه دون التواني ،لا قصد تاخير الصلاة نفسها،فمن اخذ بالمفهوم، صلّى حين خاف فوات الوقت، ومن اخذ بظاهر اللفظ أخّر ،ففيه حجة للقائلين بالظاهر وللقائلين بالمفهوم۔"(1)

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ فروعی مسائل میں (مجتہد سے) بھول چوک معاف ہے۔اوران فروعی مسائل میں سے جس مسئلے (کے نتیجے) تک مجتہد کا اجتہاد اسے پہنچائے ،اس میں مجتہد کی ملامت وگرفت نہیں کی جائے گی ،اس کے برعکس اصول کے مسائل (یعنی عقائد) میں معاف نہیں۔اور یہ مذکورۂ بالا صورت میں جب صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظر میں دلائل متعارض ہوگئے، چنانچہ نماز کو اپنے وقت پر پڑھنے کا حکم تو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ نماز کو بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے ادا کیا جائے۔اور "ان لا یصلی إلا في بني قريظة " کا حکم اس امر کو چاہتا ہے،نماز وقت نکلنے کے بعد بنی قریظہ میں پڑھی جائے۔تو کون سے ظاہر کو مقدم کیا جائے ،اور کون سے عام پر عمل کیا جائے؟

قاضی عیاض رحمہ اللہ المتوفی ۵۴۴ھ نے فرمایا: کہ رسول اللہ ﷺ کی مراد بنی قریظہ تک پہنچنے میں جلدی کرنا تھا،نفس نماز کو مؤخر کرنا اس میں سستی اور کوتاہی کرنا مراد نہ تھا۔جس نے اس مفہوم کو لیا،اس نے نماز کے فوت ہونے کے اندیشے سے نماز وقت میں ادا کی ،اور جس نے ظاہر لفظ کو لیا، مقصود کو نہ سمجھا،اس نے اس پر عمل کیا اور نماز مؤخر کی ،تو اس حدیث میں دونوں مکاتب فکر کی دلیل موجود ہے۔جو مکتب فکر ظاہری الفاظ پر عمل کا

1۔اکمال المعلم للقاضی عیاض: ۱۱۰/۶۔

قائل ہے۔اس کی بھی دلیل ہے اور جو مکتبہ فکر منشا و مقصد (بات کی تہہ تک پہنچنے) کا خوگر ہے اس کی بھی دلیل موجود ہے۔

امام محی الدین یحییٰ بن شرف نووی رحمہ اللہ (المتوفی ٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

"أمّا اختلاف الصحابة بالمبادرة بالصلوة عند ضيق وقتها وتاخيرها؛ فسببه أن أدلّة الشرع تعارضت عندهم، بأن الصلوٰة مامور بها في الوقت مع أن المفهوم من قول النبي ﷺ لا يصلين أحد الظهر او العصر الاّ في بني قريظة المبادرة بالذهاب اليهم وأن لا يشتغل عنه بشئي لا أنّ تاخير الصلوة مقصود في نفسه من حيث أنّه تاخير، فأخذ بعض الصحابة بهذا المفهوم نظراً الى المعنىٰ لا إلى اللفظ، فصلّوا حين خافوا فوت الوقت، واخذ اخرون بظاهر اللفظ و حقيقته فاخروها ولم يعنّف النبي صلى الله عليه وسلم واحدا من الفريقين لانهم مجتهدون،ففيه دلالة لمن يقول بالمفهوم والقياس و مراعاة المعنى، ولمن يقول بالظاهر ايضاً، وفيه أنه لا يعنّف المجتهد فيما فعله باجتهاده، اذابذل وسعه في الاجتهاد"[1]

نماز کا وقت تنگ ہو جانے کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم میں نماز اپنے وقت میں ادا کرنے، یا اس میں اتنی دیر کرنے میں کہ قضا پڑھنی پڑے اختلاف ہوا۔اس اختلاف کا سبب یہ تھا کہ شریعت کے دلائل ان کی نظر میں متعارض ہو گئے۔اس طرح کہ نماز کو وقت پر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اور یہاں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد:

"لايصلين احد العصر أو الظهر الافي بني قريظة۔" کا ایک مفہوم یہ ہے کہ: بنی قریظہ کی طرف جانے میں جلدی کی جائے اور جلدی پہنچنے میں کوئی چیز مانع نہ ہو، محض نماز کی تاخیر مقصود نہیں،لہٰذا بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے "لايصلين" کے معنی و منشاء کے پیش نظر وقت پر نماز پڑھی اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ظاہر الفاظ پر عمل کیا اور بنی قریظہ میں جا کر قضا نماز پڑھی۔

۱۔ صحیح المسلم: ۱۲/۳۱۸۔

اس واقعے کا ذکر جب بارگاہ رسالت میں کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے کسی فریق پر نہ گرفت کی نہ ملامت کی، کیونکہ ہر فریق نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا، اس لئے اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں، ا۔ظاہر الفاظ پر اور ۲۔قیاس رائے پر عمل کرنا۔ یہ دونوں درست ہیں۔

چنانچہ اس حدیث میں ان لوگوں کی بھی دلیل پوشیدہ ہے۔ جو اجتہاد و قیاس کے قائل ہیں۔ اور معنی و منشا کا خیال رکھتے ہیں، اور اس فریق کی بھی دلیل موجود ہے۔ جو ظاہر الفاظ پر عمل پیرا رہتے ہیں، نیز اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ مجتہد کو اس کے اجتہاد پر عمل کرنے میں ملامت نہیں کی جائے گی، جب کہ اس نے حق کی جستجو میں اپنی پوری کوشش کی ہو۔

اس حدیث پر علامہ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ (۷۵۱ھ/۶۹۱ء) نے سیر حاصل بحث کی ہے وہ بھی ہدیہ ناظرین ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

فقہاء کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ ان دونوں فریقوں میں سے کونسا فریق زیادہ حق سے قریب رہا ہے؟ فقہاء کی ایک جماعت کہتی ہے: کہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے نماز مؤخر کی، وہ اپنے اجتہاد میں حق سے قریب رہے۔ اگر ہم ان کے ساتھ ہوتے تو ہم بھی ایسا کرتے، جیسے انہوں نے نماز مؤخر کی، اور ہم بھی بنی قریظہ میں نماز پڑھتے، تا کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم: "لایصلین أحد العصر إلّا فی بنی قریظة" پر عمل پیرا رہتے فی الفور نماز نہ پڑھتے۔ اور فقہاء کی دوسری جماعت کا قول یہ ہے کہ "نہیں بلکہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے راستے میں اپنے وقت پر نماز پڑھی، انہوں نے سبقت کی فضیلت حاصل کی، اور دونوں فضیلتوں سے سرفراز ہوئے، اس لئے کہ انہوں نے رسالت مآب ﷺ کے حکم کو: ا۔جلد از جلد پورا کرنے کی کوشش کی۔ ۲۔ اور اپنے وقت پر نماز پڑھنے میں سرور کونین ﷺ کی رضا جوئی کی خاطر جلدی کی۔ ۳۔ پھر قوم کے ساتھ جا ملنے میں بھی جلدی کی۔ تو انہوں نے جہاد کی فضیلت بھی پائی، نماز کو اپنے وقت میں پڑھنے کی فضیلت بھی حاصل کی اور رسول اللہ ﷺ کی منشا کو پانے میں بھی کامیاب رہے یہ جماعت دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ فقیہہ نکلی اور خاص کر یہ نماز تو عصر کی نماز تھی، اور یہی صلاۃ الوسطیٰ

ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی اس صحیح صریح نص کی وجہ سے، جس کا کوئی معارض نہیں اور اس میں کوئی طعن بھی نہیں۔ نماز عصر کی پابندی کرنے اس میں تاخیر نہ کرنے، اس کو جلدی پڑھنے کے متعلق حدیث میں تاکید آئی ہے۔ اس کے متعلق یہ حدیث بھی موجود ہے کہ: جس سے یہ نماز فوت ہوئی تو گویا کہ اس کے اہل وعیال اور مال سب برباد ہو گئے، اس کا عمل ضائع ہو گیا۔ پس جو تاکید اس نماز کے متعلق آئی ہے اس جیسی تاکید اس کے سوا دوسری نمازوں کے متعلق نہیں آئی۔ بہر حال! جن حضرات نے نماز مؤخر کی ان کے پاس بھی نماز مؤخر کرنے کا عذر موجود ہے۔ ان کو ایک اجر ملے گا، یہ اس لئے ملا کہ انہوں نے ظاہر نص کو نہیں چھوڑا ان کی غرض اس سے حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل تھی اسی لئے حق تک رسائی میں ان دونوں میں سے کوئی بھی خطا کار نہیں۔ بلکہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے راستے میں نماز پڑھی، انہوں نے دونوں دلائل میں موافقت اور تطبیق کی دونوں فضیلتوں کو حاصل کیا۔ اس لئے ان کے لئے دوہرا اجر ہے اور دوسرے حضرات بھی اجر کے مستحق ہیں۔[1]

آپ نے دیکھا کہ جس جماعت نے نماز وقت پر ادا کی، اس نے اپنی فقہی بصیرت سے گونا گوں اجر کس خوبی سے سمیٹے! یہی وہ راز ہے جس کی بناء پر فقیہ اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوب و پسندیدہ ہوتا ہے۔ اور اس کا مرتبہ دوسروں سے بلند تر رہتا ہے۔

رسول ﷺ کا اپنی رائے کے بجائے صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے سے اتفاق

"ان الامر لما ضاق علی المسلمین فی حرب الاحزاب، و کان فی الکفار قوم من اهل مکة عونالهم رئیسهم عینیه بن حصن الفزاری، ابوسفیان بن حرب؛ بعث رسول الله ﷺ الی عینیة وقال: ارجع انت و قومک ولک ثلث ثمار المدینة، فابی الّا ان یعطیه نصفها فاستشار فی ذلک الانصار و فیهم سعد بن معاذ و سعد بن عبادة رئیسا الأوس والخزرج فقالا: هذا شیئ امرک الله به ام شیئ رأیته من نفسک قال، لابل رأیي، رأیته من عند نفسي، فقالا: یا

ا۔ زاد المعاد: ۳/۱۳۱۔

رسول اللّٰہ! لم ینالوا من ثمار المدینۃ الابشراء ،او بقری، فاذا اعزنا اللّٰہ بالاسلام لا نعطیھم الدنیہ، فلیس بیننا و بینھم الّا السیف، و فرح بذلک رسول اللّٰہ ﷺ، ثم قال للذین جاؤابالصلح : اذھبوا فلا نعطیھم الا السیف"(۱)

غزوہ احزاب میں مسلمانوں پر جب جنگ کا معاملہ پریشان کن ہو گیا اور کفار (کے لشکر) میں مکہ کے لوگوں کی ایک جماعت ان کی معاونت کر رہی تھی ،ان کے سردار عیینہ بن حصن اور ابوسفیان بن حرب تھے تو رسول اللہ ﷺ نے عیینہ کے پاس (ایک قاصد) بھیجا اور فرمایا: تو اور تیری قوم (کفار کی نصرت و مدد چھوڑ کر) مکہ لوٹ جائے تو تمہارے لئے مدینہ کے پھلوں کا تیسرا حصہ ہوگا تو اس نے صاف انکار کر دیا، مگر یہ کہ آپ ہمیں آدھے پھل دیں تو آنحضرت ﷺ نے اس معاملے میں انصار سے مشورہ کیا اور ان میں قبیلہ اوس وخزرج کے سردار حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما بھی تھے تو ان دونوں نے حضور سے پوچھا اس بات کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے یا یہ آپ کی ذاتی رائے ہے؟ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ یہ میری اپنی رائے ہے۔ تو انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ان مکہ والوں کو خرید وفروخت اور مہمانداری کے علاوہ مدینہ کے پھل نہیں ملے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی بدولت عزت عطا فرمائی ہے تو ہم ان کو گئی گزری چیز بھی نہیں دیں گے، ہمارے اور ان کے درمیان میں (فیصلہ کن چیز) صرف تلوار ہے، رسول اللہ ﷺ (ان کی) اس بات سے مسرور ہوئے پھر ان کی طرف سے صلح کے لئے آئے ہوئے لوگوں سے کہا: جاؤ، اب تو اس کا فیصلہ تلوار ہی سے ہوگا۔

رائے کے استعمال پر اظہار مسرت

"عن رجال من أصحاب معاذ: أنّ رسول اللّٰہ ﷺ لمّا بعثہ إلی الیمن، قال: کیف تقضی؟ قال: بکتاب اللّٰہ عزّوجل قال: فإن لم تجد في کتاب اللّٰہ؟

۱- کشف الاسرار علی اصول البزدوی: ۳/ ۲۱۰۔

فقال: بسنّة رسول اللّٰه ﷺ قال: فإن لم يكن في سنة رسول اللّٰه ؟ قال: اجتهد برأيي، فقال: الحمد لِلّٰه الذي و فق رسول رسول اللّٰه لِما يُحبّه رسول اللّٰه، فاجاز له الاجتهاد فيما لا نصّ فيه۔

ومن جهة أخرى أنّ هذا الخبر قد تلقاه النّاس بالقبول،واستفاض، واشتهر عندهم من غير نكير من أحدمنهم على رواته، ولا ردّ له وايضاً: فإن اكثر أحواله أن يصير موصلاً، والمرسل عند نامقبول۔ (۱)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے انہیں جب یمن کی طرف (قاضی بنا کر) بھیجا تو پوچھا! (جب تمہارے سامنے کوئی مسئلہ آئے گا) کیسے فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا: کتاب اللہ کے موافق رسول اللہ ﷺ نے پوچھا! اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ؟ عرض کی! رسول اللہ ﷺ کی سنت کے موافق سرکار دوعالم ﷺ نے پھر پوچھا! اگر سنت رسول اللہ ﷺ میں نہ ملے؟ عرض کی اپنی رائے واجتہاد سے فیصلہ کروں گا۔ تو سرور کونین ﷺ نے (اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے) فرمایا: جس نے رسول اللہ ﷺ کے رسول و سفیر کو ایسی چیز کی توفیق عنایت فرمائی جس کو اللہ کا رسول پسند کرتا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے ان کو غیر منصوص مسائل میں اجتہاد کی اجازت عطا کی تھی، اس حدیث کو عوام وخواص میں قبول عام حاصل ہے اور اہل علم کے یہاں اس حدیث کو بغیر کسی انکار ورد کے شہرت حاصل ہے۔ نیز (یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے) کہ بیشتر راویوں نے اس حدیث کو مرسل روایت کیا ہے اور مرسل ہمارے (حنفیہ) کے یہاں مقبول اور قابل حجت ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ارشاد "اجتهد برائي" کی تشریح "صحیح البخاری وسنن ابی داؤد" کے اولین شارح امام ابوسلیمان الخطابی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۸۸ھ) نے ان الفاظ میں کی ہے۔

"قال الخطابي رحمہ اللہ: "اجتهد برائي "يريد الا جتهاد في ردالقضية

۱- اصول الجصاص: ۲۲۲/۲۔

من طريق القياس إلى معنى الكتاب والسنة ولم يرد الرائي الذي ينسخ له من قبل نفسه او يخطر بباله من غير اصل من كتاب أو سنّة وفي هذا اثبات القياس وإيجاب الحكم به" (۱)

"اجتهد برائی" سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی مراد وہ اجتہاد ہے جس میں قیاس کے ذریعہ غیر منصوص مسئلے کے حکم کو قرآن وسنت کے معنی ومنشاء کی طرف لوٹایا جائے۔ نہ کہ اس رائے کی جو محض نفسانی خواہش کی بنا پر ظاہر ہو۔ یا وہ رائے جو قرآن وسنت کی اصل کے بغیر یوں ہی دل میں کھٹکنے لگے۔ یہ حدیث قیاس کے ثبوت کی دلیل ہے۔ نیز اس امر کی دلیل ہے کہ قیاس جو حکم ثابت کرتا ہے اس پر عمل کرنا ضروری اور واجب ہے۔

فقہاء محدثین میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ المتوفی ۷۷۴ھ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث کے ماخذ وسند کے متعلق۔ فرماتے ہیں۔

"هذا الحديث في المسند والسنن باسناد جيد"۔ (۲)

یہ حدیث مسند احمد اور سنن کی کتابوں میں عمدہ سند کے ساتھ آئی ہے۔

فقہی بصیرت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آراستگی

اکثر وبیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس صفت سے آراستہ تھے۔ اور اس صفت کے اصل مصداق رسول ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، چنانچہ شیخ الاسلام ابواسحاق شیرازی شافعی رحمہ اللہ المتوفی ۴۷۶ھ "طبقات الفقهاء" میں رقم طراز ہیں:

"اعلم ان أكثر اصحاب رسول الله ﷺ الذين صحبوه و لازموه، كانوا فقهاء وذلك أن طريق الفقه في حق الصحابة (رضي الله عنهم) خطاب الله عزوجل، و خطاب رسول الله ﷺ وماعقل منهما وافعال رسول الله ﷺ وماعقل منها فخطاب الله عزوجل هو القران الكريم وقدأنزل ذلك بلغتهم على أسباب عرفوها وقصص كانوا فيها فعرفوا مسطوره، ومفهومه،

۱- معالم السنن: ۱۵۳/۴، بذل المجهود: ۳۰۹/۴۔ ۲- تفسیر القرآن العظیم: ۳/۱۔

ومنصوصه، و معقوله، ولهذا قال أبو عبيد فی کتاب المجاز:
لم ينقل أن احداً من الصحابة رجع في معرفة شئي في القران الكريم إلى رسول الله (ﷺ) وخطاب رسول الله (ﷺ) أيضاً بلغتهم يعرفون معناه ويفهمون مبهمه وفحواه، وأفعاله هي التي فعلها من العبادات و المعاملات والسير والسياسات وقد شاهدوا ذلک كله، وعرفوه، وتكرر عليهم، و بحروه ولهذا قال ﷺ: "أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم"؛ ولان من نظر فيما نقلوه عن رسول الله (ﷺ) من أقواله وتأمل ما وصفوه من أفعاله في العبادات وغيرها اضطروه إلى العلم بفقههم و فضلهم، غير أن الذى اشتهر منهم بالفتاوى والأحكام وتكلم في الحلال والحرام جماعة مخصوصة۔" (۱)

اس حقیقت کو سمجھو کہ رسول اللہ ﷺ کے اکثر و بیشتر صحابی جنہوں نے ان کی صحبت اٹھائی اور ان سے وابستہ رہے، وہ سب فقیہ ہیں اور بلاشبہ یہ فقہ (شریعت کو سمجھنے سمجھانے) کا طریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں آیا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے خطاب (اوامر و نواہی) اور اس کے رسول ﷺ کے خطاب سے جو کچھ سمجھا اور رسول اکرم ﷺ کے افعال واعمال اور تقریرات (معرض بیان میں آپ ﷺ کے سکوت کرنے اور نکیر نہ کرنے) کو جانا اور سمجھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا خطاب ہے۔ وہی قرآن کریم ہے۔ جو انہی کی زبان میں ہے۔ ان اسباب کی وجہ سے جنہیں یہ جانتے اور ان واقعات کے تحت جو ان کے سامنے پیش آئے تھے یہ ان سے واقف تھے، اتارا گیا انہوں نے نوشتۂ وحی کو سمجھا اس کے منشا و مطلب کو سمجھنے کی کوشش کی اور اس کے صریح اور غیر صریح احکام کو سمجھا۔ ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ (المتوفی ۲۲۴ھ) نے ''کتاب المجاز'' میں کہا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی سے منقول نہیں کہ اس نے قرآن کی کسی صریح وصاف بات کو سمجھنے میں رسول اللہ ﷺ سے رجوع کیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا خطاب ان سے انہی

۱۔ طبقات الفقہاء للشیرازی: ص ۳۔

کی زبان میں ہوتا تھا وہ اس کے معانی ومطالب کو جانتے اس کی مبہم بات کو سمجھتے تھے۔ اس کے مقصد کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے وہ افعال جن کا تعلق عبادات، معاملات، عادات واطوار اور سیاسات سے ہے، ان سب کا انہوں نے مشاہدہ کیا، دیکھا، اور سمجھا تھا۔ اور جو باتیں ان کے سامنے بار بار آتی تھیں ان کی گہرائی تک پہنچتے تھے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا تھا:

"اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔"

(میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی طرح رہنما ہیں، تم جس کی پیروی کرو گے رہنمائی پاؤ گے۔) اس لئے جو کوئی رسول اللہ ﷺ کے ان اقوال میں جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کئے ہیں غور وفکر کرے گا اور ان اعمال میں جن کا تعلق عبادات وغیرہ سے ہے، نقل کرے گا وہ ان کے علم ودانش، فہم وفراست اور فضل وکمال کی طرف اپنے آپ کو مجبور ومحتاج پائے گا، یہ اور بات ہے کہ ان اکثر وبیشتر صحابہ رضی اللہ عنہم میں وہ صحابہ جنھیں فتویٰ دینے، حلال و حرام سے بحث کرنے (اور مشکل مسئلوں کا حل نکالنے) میں شہرت حاصل تھی وہ ایک مخصوص جماعت تھی۔

عہد رسالت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد

عہد رسالت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی کل تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تھی۔[1] ان میں اکثر وبیشتر فقیہ تھے۔ لیکن ہر ایک صحابی رضی اللہ عنہ مجتہد نہ تھا اور نہ وہ اپنے آپ کو فتویٰ دینے کا اہل سمجھتا اور نہ اسلامی معاشرے میں اس کو اس اہم ذمہ داری کا اہل سمجھا جاتا تھا۔

مجتہدین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اوپر تصریح گزر گئی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی مذکورہ بالا تعداد میں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن سے بکثرت فتویٰ منقول ہیں ایسے کل سات مجتہد صحابی ہیں، اور جن سے کم فتوے منقول ہیں وہ تیرہ مجتہد صحابی ہیں۔ اور جن سے کم تر صرف ایک دو فتوے منقول ہیں وہ

ا۔ مقدمہ ابن صلاح: ص ۲۹۳، تدریب الراوی: ص ۴۰۵، ارشاد طلاب الحقائق للنووی: ۲ / ۵۹۷

ایک سوبیس ہیں۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کل تعداد میں صرف سات ہی سربرآوردہ مجتہدین کو شمار کیا جائے، تو اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ سولہ ہزار دو سو پچاسی صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظیم جماعت میں صرف ہمیں ایک ہی عظیم ترین مجتہد نظر آتا ہے۔

اور اگر ان تیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جن کے فتوے کم منقول ہیں، ان سات عظیم ترین مجتہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جن سے بکثرت فتوے منقول ہیں، ملائیں تو ان عظیم ترین اور عظیم تر سب کی تعداد بیس ہو جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پانچ ہزار سات سو کی جماعت میں ہمیں ایک مجتہد ملتا ہے۔

مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کے تین طبقات

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (المتوفی ۴۵۶ھ) نے عہد صحابہ میں مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کے تین طبقات بیان کیے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"لم تروالفتيا في العبادات والاحكام الاعن مائة ونيف وثلاثين منهم فقط من رجل و امراة بعد التقصي الشديدة. (1)

عبادات اور ایسے مسائل میں جن میں شریعت کا حکم درکار ہوتا ہے فتوے دینے والے صحابی اور صحابیہ رضی اللہ عنہا کا بہت چھان بین کے بعد پتہ لگ سکا ہے۔ ان کی تعداد ایک سو تیس سے کچھ اوپر ہے، ان مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کے تین طبقات ہیں۔

۱۔ پہلا طبقہ مکثرین صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ یہ وہ ارباب فتویٰ صحابی ہیں جن کے فتووں کی سنن وآثار کی کتابوں میں اتنی کثرت اور بہتات ہے کہ انہیں یکجا کیا جائے تو ایک بڑی موٹی جلد تیار ہو جائے۔

۲۔ دوسرا طبقہ متوسطین صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے، یہ ان ارباب فتویٰ صحابہ رضی اللہ عنہم کا طبقہ ہے جن کے فتووں کی کتب وآثار وسنن میں اتنی کثرت نہیں کہ موٹی سی ایک کتاب بن جائے، لیکن اتنی تعداد ضرور منقول ہے کہ ان سے ایک رسالہ ترتیب پا جائے۔

۳۔ تیسرا طبقہ مقلین کا ہے یہ ان ارباب فتویٰ صحابہ رضی اللہ عنہم کا طبقہ ہے، جن

۱- الاحکام: ۹۲/۵۔

سے اتنے فتوے بھی حدیث کی کتابوں میں منقول نہیں کہ ایک چھوٹا موٹا رسالہ ہی بنایا جاسکے۔ بس ایک دو فتوے ہی منقول ہیں وہ ایک جز (ایک یا دو ہی ورق) میں آ جائیں گے۔

چنانچہ علامہ ابن حزم اندلسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۵۶ھ) لکھتے ہیں کہ:

مکثرین: کثرت سے فتوے دینے والے سات ارباب فتویٰ صحابی یہ ہیں،

۱۔ ام المومنین حضرت عائشہ، ۲۔ حضرت عمر بن الخطاب ان کے فرزند، ۳۔ حضرت عبداللہ ۴۔ حضرت علی بن ابی طالب، ۵۔ حضرت عبداللہ بن عباس، ۶۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، ۷۔ حضرت زید بن ثابت ہیں اور یہ سات صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، ان میں سے ہر ایک کے فتووں کو جمع کیا جائے تو وہ ایک موٹی کتاب بن جائے، ابوبکر محمد بن موسیٰ بن یعقوب بن امیر المومنین مامون رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فتووں کو جمع کیا تو وہ بیس کتابوں میں یکجا ہوئے تھے، ابوبکر محمد رحمۃ اللہ علیہ جس کا ذکر اوپر آیا ہے یہ علم فقہ وحدیث میں آئمہ اسلام میں سے ایک تھے۔

متوسطین میں وہ ارباب فتویٰ صحابی ہیں جن سے زیادہ فتوے منقول نہیں ان میں:

۱۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ، ۲۔ حضرت انس بن مالک، ۳۔ حضرت ابوسعید خدری، ۴۔ حضرت ابوہریرہ، ۵۔ حضرت عثمان بن عفان، ۶۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، ۷۔ حضرت عبداللہ بن زبیر، ۸۔ ابوموسیٰ اشعری، ۹۔ معاذ بن جبل، ۱۰۔ حضرت ابوبکر الصدیق، ۱۱۔ حضرت سعد بن الوقاص، ۱۲۔ حضرت سلمان فارسی، ۱۳۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں یہ تیرہ ۱۳ صحابی رضی اللہ عنہم ہیں۔

ان میں سے ہر ایک کے فتوے اگر جمع کیے جائیں تو ایک چھوٹا رسالہ بن جائے گا۔ انہی میں ۱۔ حضرت طلحہ ۲۔ حضرت زبیر، ۳۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، ۴۔ حضرت عمران بن حصین، ۵۔ حضرت ابوبکر، ۶۔ حضرت عبادہ بن الصامت، ۷۔ حضرت معاویہ بن سفیان، رضی اللہ عنہم، کے ناموں کو اور بڑھایا جائے (تو ۱۳ میں سات کا اور اضافہ کیا جائے تو متوسطین کی تعداد بیس تک پہنچ جائے گی، اس صورت میں مکثرین اور متوسطین کی مجموعی

تعداد ستائیس ہو جائے گی)

باقی سب مقلین وہ صحابی ہیں، جن میں ہر ایک سے ایک دو فتوے ہی منقول ہیں اور وہ بہت مختصر ہیں، ورق دو ورق سے زیادہ نہیں ہیں، ان سے ہر ایک کے فتووں کا بہت مختصر جزء بنے گا۔(1) مکثرین، متوسطین صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجموعی تعداد کے پیش نظر علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ المتوفی ۸۶۱ھ نے "شرح فتح القدیر" میں لکھا ہے:

"لا تبلغ عدة المجتهدين الفقهاء منهم اكثر من عشرين"

صحابہ کرامؓ میں مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد بیس سے زیادہ نہیں پہنچتی ہے۔(۲)

ان ارباب فتویٰ صحابہ کی مجموعی تعداد ایک سو سترہ سے کچھ اوپر ہے۔ ان میں ایک سو بیالیس ۱۴۲/ صحابی رضی اللہ عنہم اور بیس ۲۰/ صحابیہ رضی اللہ عنہن ہیں۔ جن کی مجموعی تعداد ایک سو باسٹھ ہی ہوتی ہے۔(۳) لیکن ڈاکٹر احسان عباس، ڈاکٹر ناصر الاسد کی تحقیق اور شیخ احمد محمد شاکر رحمہ اللہ کی مراجعت کے ساتھ ابن حزم رحمہ اللہ کا تیسرا رسالہ "اصحاب الفتيا من الصحابة و من بعد هم على مراتبهم فى كسرة الفتيا" میں ارباب فتویٰ صحابہ وصحابیات کی مجموعی تعداد ۱۴۹/ مذکور ہے، ہم نے اس نقل کو علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کی "الاحکام" ص ۹۳ سے مقابلہ کیا، تو مجموعی تعداد تو درست نکلی لیکن صحابیات کی تعداد بیس نہیں بائیس ہے۔ اس لحاظ سے صحابہؓ اور صحابیاتؓ کی مجموعی تعداد ایک سو چونسٹھ ۱۶۴/ ہو جاتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ مسلم معاشرے میں جب کبھی اور جہاں کہیں

۱- الاحکام: ۵/۹۲۔ (ول) الرسالۃ الثالثۃ، اصحاب الفتیا من الصحابۃ ومن بعدہم علی مراتبہم فی کثرۃ الفتیا: ۳۱۹ اس رسالے میں ابن حزم نے ارباب فتویٰ کی مجموعی تعداد ایک سو باسٹھ بیان کی ہے۔ ان میں ۱۴۲/ مرد اور ۲۰ خاتون ہیں۔

مکثرین سات، اور متوسطین ۱۳ بیان کئے ہیں باقی سب مقلین ہیں، یہ رسالہ سید کسروی حسن کی تحقیق سے دار الکتب العلمیہ نے ۱۴۰۵ھ میں بیروت سے شائع کیا ہے۔

۲- شرح فتح القدیر: ۳/۳۰۰۔ ۳- ایضاً، اصحاب الفتیا: ص ۱۹۔

نت نئے مسائل پیش آئے، اکثر و بیشتر انہی سات اکابر مجتہدین صحابہ ﷺ میں کسی نہ کسی کے پاس جاکر مسئلہ کا حکم، اس کا حل، اور جواب پوچھا جاتا تھا، اور جس سے معلوم کیا جاتا وہ اپنی مجتہدانہ بصیرت سے کبھی فوراً جواب دے کر سائل کو عمل کا راستہ بتاتا تھا، جیسا کہ کسی نے میراث کا ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ دوران خطبہ ہی حضرت علی ﷺ سے پوچھا، اور آپ ﷺ نے اسی وقت اس کا حل بتایا وہ جواب آج بھی ''مسئلہ منبریہ'' کے نام سے مشہور ہے،

حضرت علی ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ۱۰ھ میں یمن کا قاضی بنا کر بھیجا۔ (ایک دفعہ) وہاں کے لوگوں نے شیر پکڑنے کے لیے ایک گڑھا کھودا، اور اس میں بانس وغیرہ لگا کر اوپر کپڑا ڈال دیا، شیر اس میں گرا، شیر کو دیکھنے کے لیے گڑھے کے کنارے لوگوں کی بھیڑ ہوگئی جس کی بنا پر ایک آدمی گڑھے میں گر پڑا، اور گرتے گرتے ایک دوسرے آدمی کو پکڑا، اس دوسرے آدمی نے تیسرے کو پکڑا اور تیسرے نے چوتھے کو پکڑا، یہاں تک کہ چار آدمی اس طرح اس میں گرے۔ شیر نے ان پر حملہ کر کے ان کو کھالیا، یہ صورت حال دیکھ کر اوپر سے ایک آدمی نے نیزہ مار کر شیر کو مار ڈالا۔ مقتولین کے اولیاء آپس میں جھگڑنے لگے اور تلواریں تک نکال لیں، اس موقع پر حضرت علی ﷺ ان کے پاس آئے اور فرمایا کہ: کیا تم لوگ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں قتل وقتال کرنا چاہتے ہو؟ میں تمہارا فیصلہ کرتا ہوں، اگر تم سب اس پر راضی ہوئے تو فبہا، اور اگر سب راضی نہ ہوئے تو تم میں سے کوئی دوسرے کو کچھ نہ کہے یہاں تک کہ تم رسول اللہ ﷺ کے پاس چلے جاؤ، وہی تمہارے درمیان فیصلہ فرمائیں گے، جن قبیلوں نے گڑھا کھودا تھا ان سے دیت کا چوتھائی حصہ، تہائی حصہ، آدھی دیت اور پوری دیت جمع کرو، پہلے مقتول کے لیے دیت کا چوتھائی حصہ ہوگا کیونکہ اس نے اپنے اوپر والے تین شخصوں کو ہلاک کیا، دوسرے مقتول کے لیے دیت کا تہائی حصہ، تیسرے کے لیے آدھی اور چوتھے کے لیے پوری دیت ہوگی۔ وہ لوگ اس فیصلے پر راضی نہ ہوئے اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے، نبی کریم ﷺ اس وقت مقام ابراہیم کے پاس تشریف فرما تھے، ان لوگوں نے اپنا واقعہ بیان کیا، رسول اللہ ﷺ نے سن کر فرمایا کہ: میں تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہوں اور اپنے کمر اور گھٹنوں کے گرد کپڑا باندھ کر بیٹھ گئے، ان میں سے ایک آدمی نے کہا

کہ حضرت علی ہمارے درمیان فیصلہ کر چکے ہیں اور ان کا کیا ہوا فیصلہ سنا دیا، رسول اللہ ﷺ نے اس فیصلے کو درست قرار دیا اور اسے نافذ فرما دیا۔[1]

کبھی سائل سے کہا جاتا کہ بعد میں اس کا جواب دیا جائے گا، چنانچہ غور وفکر میں کبھی ایک مہینہ گزر جاتا تھا چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مہر اور میراث مفوضہ کے مسئلے کا جواب ایک مہینے کے بعد دیا تھا۔[2] اور جب انہیں معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کا رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی جواب دیا تھا تو ایسی خوشی ہوئی تھی کہ زندگی میں عظیم کارنامے انجام دینے پر انہیں اتنی خوشی ومسرت نہیں ہوئی ہوگی، جتنی اس مسئلہ کے حل اور رسالت مآب ﷺ کے جواب کے ساتھ مطابقت وموافقت سے ہوئی تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کی فطرت میں کیسا عظیم اجتہادی ملکہ ودیعت کیا گیا تھا۔ اور بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضری، صحبت وخدمت نے صحابہ میں ایسا جلا ونور بخشا تھا کہ مشکل سے مشکل مسئلے کو حل کرنا اور اس پر عمل کرنا انہیں آسان تھا۔ ان اکابر مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجتہدانہ صلاحیت اور فقیہانہ بصیرت، مزاج شریعت سے مناسبت اور اس میں رسوخ وپختگی نے انہیں مرجع خلائق بنایا تھا، مسائل کے حل میں سب کی نگاہیں انہی کی طرف اٹھتی تھیں اور انہی کے بتائے ہوئے مسئلوں پر عمل کیا جاتا پر عمل کیا جاتا تھا۔ مذکورہ بالا مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہر مجتہد نے جن مسائل کو حل کیا، یہ انفرادی اجتہادی مسائل کا ذخیرہ ہر مجتہد کے انداز فکر ونظر کا شاہد اس کی اجتہادی آراء ونظریات کا جامع اور اس کی اصابت رائے کا شاہکار ہے۔

مذکورہ بالا مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتہادی کام کی ابتدا عہد رسالت میں مدینہ منورہ سے ہوئی جیسا کہ گزر چکا، پھر جیسے جیسے اسلامی قلمرو کی فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، ان کی اجتہادی سرگرمیوں کا دائرہ بھی اسلامی مملکت کے مرکزی شہروں میں وسعت اختیار کرتا گیا، ان کی تعلیمی وتربیتی مساعی سے ان کے طلباء اور شاگردوں میں اجتہادی سلیقہ پروان چڑھتا گیا، چنانچہ ان کی وفات کے بعد ان کے شاگردوں نے اس بنیادی فریضے کو

۱- مسند احمد: ۱/۱۲۱، مسند ابو داؤد طیالسی: ۱/۲۳۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲/۲۸۲، نیل الاوطار: ۷/۲۴۷۔

۲- سنن ابی داؤد: ۱/۲۸۸۔

اسلامی قلمرو کے وسیع تر علاقے کے مرکزی شہروں میں انجام دینا شروع کیا۔

ان سات مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم سے جس مجتہدانہ کام کا آغاز عہد رسالت میں مدینہ سے ہوا تھا وہ سارے اسلامی قلمرو میں پھیلا اور ان مکثرین صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتہادی کام کا سلسلہ عہد صحابہؓ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی وفات پر ساتویں دہائی کے وسط میں اختتام پذیر ہوا، اور ان کے نامور شاگردوں نے اس سلسلے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، لیکن اس کا دائرہ انفرادی کوششوں تک محدود رہا، اور اسلامی قلمرو کی مقامی اور وقتی ضرورتوں کو پورا کرتا رہا۔ مگر شورائی نظام اجتہادی جس کا آغاز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں کیا تھا، وہ اکابر مجتہدین کے اسلامی قلمرو میں مامور کئے جانے سے زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا۔

عہدِ رسالت میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی خدمتِ افتاء

فتوے دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض منصبی تھا، قرآن میں اس کا ذکر ہے، ''یستفتونک''(۱) ''صحابہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ لیتے ہیں''، شرعی حکم معلوم کرتے ہیں۔ چنانچہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فتویٰ دیتے تھے، آپ نے بعض مہاجر و انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی تربیت کی تھی، اور وہ آپ کی غیر موجودگی میں آپ کی اجازت سے فتویٰ دیتے تھے۔(۲) ان میں چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہرت حاصل تھی، تین مہاجر اور تین انصار تھے، چنانچہ حضرت سہل بن ابی خیثمہ ساعدی رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں:

''کان الذین یفتون علی عهد رسول الله ﷺ ثلاثة من، المهاجرین و ثلاثة من الانصار، عمر، و عثمان و علي و أبي بن کعب و معاذ بن جبل، و زید بن ثابت۔''(۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فتویٰ دیتے تھے ان میں تین حضرت عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم تھے۔ اور تین حضرت اُبی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل اور

۱۔ سورۃ نساء، آیت: ۱۲۷۔ ۲۔ الحاوی للفتاوی، السیوطی: ۱/۱۲۱۔

۳۔ الطبقات الکبریٰ: ۲/۳۵۱۔

زید بن ثابت رضی اللہ عنہم انصاری تھے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں مجھے احادیث و آثار کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ زمانۂ رسالت میں افتا کی خدمت انجام دینے والے صحابہ آٹھ تھے، میں نے انہیں دو شعروں میں نظم کیا ہے، وہ شعر یہ ہیں۔

وقد كان في عصر النبي جماعة

يقومون بالإفتاء قومة قانت

فاربعة أهل الخلافة، معهم

معاذ، أبي، و ابن عوف، ابن ثابت(۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آٹھ صحابہ فتاویٰ دینے کا ایسا اہتمام کرتے، جیسے کوئی فرمانبردار اطاعت الٰہی کرتا ہے، ان میں چار خلفا راشدین حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم تھے اور ان کے ساتھ حضرت معاذ، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم بھی یہ خدمت انجام دیتے تھے۔

مورخ علامہ عبدالرحمٰن ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۹۷ھ نے 'کتاب المدھش' میں عہد رسالت میں مفتیان صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد چودہ نقل کی ہے، موصوف کا بیان ہے:

"**من كان يفتي على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم: أبوبكر ،و عمر، و عثمان ،و علي ،و عبدالرحمن بن عوف ،و ابن مسعود، و أبي و معاذ ،و عمار ،و حذيفه، و زيد بن ثابت ،و ابو الدردا و أبو موسىٰ و سلمان رضي الله عنهم**"(۲)

عہد رسالت میں جو صحابہ رضی اللہ عنہم فتوے دیتے تھے وہ ۱۔ حضرت ابوبکر عبداللہ بن عثمان تیمی قرشی (۵۱ق ھ۔۱۳ھ/ ۵۷۳ء۔۶۳۴ء)، ۲۔ حضرت عمر (۴۰ ق ھ۔۲۳ھ/ ۵۸۴ء۔۶۴۴ء)، ۳۔ حضرت عثمان (۴۷ق ھ۔۳۱ھ/ ۵۷۷ء۔۶۵۶ء)، ۴۔ حضرت

۱۔ الحاوی للفتاوی: ۱/۱۶۲۔ ۲۔ المدھش: ص۵۱

علی (۲۳ ق ھ ۔ ۴۰ھ/ ۶۰۰ ۔ ۶۶۱ء)، ۵۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (۴۴ ق ھ ۔ ۳۲ھ/ ۵۸۰ء ۔ ۶۵۲ء)، ۶۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلی (۰۰۰۔۳۲ھ/...... ۔ ۶۵۳ء)، ۷۔ حضرت ابی بن کعب الانصاری (۰۰۰۔۲۱ھ/۰۰۰۔۶۴۲ء)، ۸۔ حضرت معاذ بن جبل خزرجی انصاری (۲۰ق ھ ۔ ۱۸ھ/۶۰۳۔۶۳۹ء)، ۹۔ حضرت عمار بن یاسر (۵۷ ق ھ ۔ ۳۷ھ/ ۵۶۷۔۶۵۷ء)، ۱۰۔ حضرت حذیفہ بن الیمان (۰۰۰۔ ۳۶ھ/ ۰۰۰ ۔ ۶۵۶ء)، ۱۱۔ حضرت زید بن ثابت خزرجی انصاری (۱۱ ق ھ ۔ ۴۵ھ/ ۶۱۱ ۔ ۶۶۵ء)، ۱۲۔ حضرت ابوالدردا عویمر بن زید بن قیس (۰۰۰۔۳۲ھ/ ۰۰۰۔۶۵۲ء)، ۱۳۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری (۲۱ق ھ ۔ ۴۴ھ/۶۰۲۔۶۶۵ء)، ۱۴۔ حضرت سلمان فارسی (۰۰۰۔۳۶ھ/۰۰۰۔۶۵۶ء) رضی اللہ عنہم تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتووں پر عمل کیا جاتا تھا، اور ان کی فقہی بصیرت وتقلید کو راہ نجات سمجھا جاتا تھا۔

خلافت راشدہ میں رائے اور فتووں پر عمل

خلافت راشدہ میں بھی رائے اور فتووں پر عمل کیا جاتا تھا، چنانچہ فقہاء سبعہ میں قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۰۶ھ کا بیان ہے۔

"ان ابابکر الصدیق رضی اللہ عنہ کان اذا نزل بہ امر، یرید فیہ مشاورۃ اھل الرای واھل الفقہ، و دعا رجالا من المھاجرین و الانصار عمر و عثمان و علیا و عبدالرحمٰن بن عوف و معاذ بن جبل و أبی بن کعب و زید بن ثابت، رضی اللہ عنہم و کل ھولاء یفتی فی خلافۃ أبی بکر رضی اللہ عنہ، و انماتصیر فتوی الناس إلی ھولاء، فمضی أبوبکر علی ذلک، ثم ولی عمر رضی اللہ عنہ فکان یدعوھؤلاء النفر، و کانت الفتویٰ تصیر و ھو خلیفۃ إلی عثمان و أبی و زید رضی اللہ عنہم۔"(۱)

بلاشبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی نیا مسئلہ اور واقعہ پیش آتا، وہ اس میں اہل الرائے اور اہل فقہ سے مشورہ لینے کا ارادہ فرماتے تو مہاجرین وانصار میں

۱۔طبقات الکبری: ۲/۳۵۰۔

سے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کو بلاتے تھے۔

اور یہی لوگ خلافت صدیقی میں فتوے دیتے تھے۔ اور لوگوں کی طرف سے جو سوالات آتے وہ انہی کو پہنچائے جاتے تھے۔ یہ فتاوی کے مرجع تھے اور انہی کا فتویٰ چلتا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہی معمول تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکمرانی کا زمانہ جب شروع ہوا تو وہ بھی انہی لوگوں کو بلاتے تھے، اور انہی کے فتووں پر عمل جاری تھا۔ اور فتوے حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کو پہنچائے جاتے تھے۔

(حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے دور فرمانروائی میں یہ خود فتوے دیتے تھے)

قیس بن مسلم رحمہ اللہ، ابوجعفر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں مہاجرین کا کوئی گھر ایسا نہیں تھا جو تہائی یا چوتھائی پیداوار پر کاشت نہ کرتا ہو۔ حضرت ابوبکر، عمر، علی، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم، عمر بن عبدالعزیز، قاسم، عروہ رحمہم اللہ کے خاندان والے اور ابن سیرین رحمہ اللہ سب بٹائی کیا کرتے عبدالرحمٰن بن اسود رحمہ اللہ نے کہا کہ: میں عبدالرحمٰن بن یزید رحمہ اللہ کا کھیتی میں شراکت دار تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے اس شرط پر مزارعت کا معاملہ کیا کہ اگر بیج ان کا ہو تو وہ آدھی پیداوار لیں گے، اور اگر بیج لوگوں کا ہو تو وہ اتنی (آدھی) پیداوار لیں گے (یعنی دونوں صورتوں میں آدھی پیداوار ان کی ہوگی۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر زمین دو آدمیوں میں سے ایک کی ہو اور دونوں اس میں خرچ کریں تو پیداوار برابر تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔ اور حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ قول (بھی) ہے کہ: اگر کوئی آدھو آدھ کپاس ٹھہرا کر اس کو چنے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ابراہیم، ابن سیرین، عطاء، زہری اور قتادہ رحمہم اللہ کا قول ہے کہ: اس میں کوئی برائی نہیں کہ کپڑا تہائی یا چوتھائی پر (جولاہے کو) دے، اور معمر رحمہ اللہ نے کہا کہ مویشی تہائی یا چوتھائی پر ایک مدت معین کے لیے کرایہ پر دینے میں کوئی حرج و مضائقہ

نہیں۔(۱)

عہد صحابہ میں چھ مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کی آرا کی پیروی

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ المتوفی ۲۴۱ھ "کتاب العلل" میں بلند پایہ فقیہ وحافظ حضرت مسروق رحمہ اللہ کا بیان نقل کرتے ہیں۔

عہد صحابہؓ میں چھ صحابہ رضی اللہ عنہم: ۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (۴۰ ق ھ ۔ ۲۳ھ/ ۵۸۴۔۶۴۴ء) ۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود (۰۰۰۔۳۲ھ/ ۰۰۰۔۶۵۲ء) ۳۔ حضرت علی بن ابی طالب (۲۳ ق ھ۔۴۰ھ/ ۶۰۰۔۶۶۱ء) ۴۔ حضرت ابی بن کعب (۰۰۰۔ ۲۱ھ/ ۰۰۰۔۶۴۲ء) ۵۔ حضرت زید بن ثابت (۱۱۔۴۵ھ/ ۶۱۱۔۶۶۵ء) ۶۔ حضرت ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہم (۲۱ ق ھ۔۴۴ھ/ ۶۰۲۔۶۶۵ء) فتویٰ دیتے تو ان کے قول پر بات ٹھہرتی، ان میں تین صحابی اپنے قول اور فتوے کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں چھوڑ دیتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں اور حضرت زید رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں اپنی رائے اور فتویٰ سے دست بردار ہو جاتے تھے۔(۲)

اب یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تفقہ، فقہی بصیرت اور تفریع مسائل کا نام ہی رائے ہے۔ عہد رسالت، خلافت راشدہ اور عہد صحابہ(۳) سے اس سنت پر عمل برابر جاری

۱۔ صحیح البخاری: ص ۴۹۵۔ ۲۔ کتاب العلل ومعرفۃ الرجال: ۱/ ۷۹، طبقات الکبریٰ: ۲/ ۳۵۰، تاریخ الثقات للعجلی: ۸/ ۲۷، سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۳۸۸

۳۔ عہد صحابہ: جمہور مؤرخین کے نزدیک دور صحابہ پہلی صدی ہجری کے اختتام پر ختم ہوتا ہے، چنانچہ امام ابو اسحاق الشیرازی المتوفی ۴۷۶ھ "طبقات الفقہاء" (بغداد، ۱۳۵۶ھ ص ۲۲۔۲۳) میں رقمطراز ہیں: وانقرض عصر الصحابۃ مابین تسعین الی مائۃ (صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ نوے سے سو کے مابین ختم ہو گیا) پہلی صدی ہجری کے خاتمے سے پہلے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سفر آخرت اختیار کیا، اس کی تفصیل مورخ واقدی المتوفی ۲۰۷ھ نے یوں پیش کی ہے۔

۱۔ کوفے میں آخری صحابی حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ (۸۶ھ/ ۷۰۵ء) میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

۲۔ مدینے میں آخری

وساری تھا۔

عظیم مجتہدین کی عظیم تر مجتہدین کے حق میں اپنی فقہی آراء سے دست برداری

یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مذکورۂ بالا صورت میں ایک عظیم مجتہد کا دوسرے عظیم تر مجتہد کے مقابلے میں اپنی رائے کو چھوڑ کر دوسرے مجتہد کی رائے کو اختیار کرنا، اجتہاد کی ایک قسم ہے۔ چنانچہ امام ابوالحسن الکرخی رحمہ اللہ (۲۶۰۔۳۴۰ھ/۸۷۴۔۹۵۲ء) فرماتے ہیں۔

"أن تقليد المجتهد لغيره ممن هو أعلم منه، و ترك رأيه لرأيه ضرب من الاجتهاد في تقوية رای الأخر في نفسه علي رايه، لفضل علمه و تقدمه مو

= صحابی سہل بن سعد ساعدی (رضی اللہ عنہ ۹۱ھ/ ۷۱۰ء) سو برس کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ۳۔ بصرے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے (۱۰ ق ھ۔۹۱ھ/ ۶۱۲۔۷۱۰ء) نے اور بعض کا قول ہے ۹۳ھ میں انتقال کیا۔ ۴۔ شام میں حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے (۸۸ھ/ ۷۰۶ء) میں وفات پائی۔ ۵۔ (مکہ میں) حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ (۳ھ۔۱۰۰ھ/ ۶۲۵۔۷۱۸ء) میں وفات پائی۔ مورخ اسلام علامہ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ نے حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کا ذکر پہلی صدی ہجری کی وفیات کے ذیل میں کیا ہے لیکن لکھا ہے:

"قال وهب بن جرير سمعت ابي يقول: كنت بمكة سنة عشر و مائة، فرأيت جنازة فسألت عنها، فقالوا: هذا ابو الطفيل قلت: هذا هو الصحيح بثبوت إسناده و هو مطابق لما قيله"

(تاریخ الاسلام، تحقیق بشار عواد، دار الغرب الاسلامی طبعہ اولی/ ج ۲/ص ۱۲۰۱، حوادث ووفیات ۸۰۔۱۰۰ھ)

"وہب ابن جریر رحمہ اللہ کا بیان ہے: میں نے اپنے باپ سے سنا کہتے تھے کہ میں ۱۱۰ھ میں مکہ میں تھا میں نے ایک جنازہ دیکھا اور اس کے متعلق پوچھا، تو لوگوں نے بتایا کہ: یہ صحابی رسول حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ ہے میں کہتا ہوں (الذہبی) یہ قول صحیح ہے۔ اس کی سند درست اور سابقہ بیان کے مطابق ہے۔

معرفته بوجوه النظر والاستدلال، فلم يحل في تقليده إياه من إن يكون مستعملا لضرب من الاجتهاد، يوجب عنده رجحان قول من قلده "۔[1]

بلا شبہ ایک مجتہد کا اپنے سے بڑے مجتہد و عالم کی تقلید کرنا اور اپنی اجتہادی رائے کو اس کی اجتہادی رائے کے مقابلے میں نظر انداز کرنا، دوسرے مجتہد کی رائے کو اپنی رائے کے مقابلے میں چھوڑنا دراصل اس کی ا۔علمی برتری اور علم میں اس کی پیش قدمی کی وجہ سے ہے۔۲۔اس کی وجوہ نظر کی معرفت اور استدلال کے پیش نظر ترجیح دینا، اور اس کی تقلید کرنا، اس امر سے خالی نہیں کہ وہ اجتہاد کی ایک قسم پر عمل پیرا رہا، جس نے اس امر کو اس کے خیال میں ضروری کر دیا کہ اس نے جس کی تقلید اختیار کی ہے اس کے قول کو اپنے قول پر ترجیح دے۔

چھ مجتہدینؒ میں سے تین صحابی رضی اللہ عنہم کوفی

چنانچہ مذکورہ بالا چھ علماء میں سے تین حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کا شمار مجتہدین فقہا کوفہ سے ہے۔[2] اور دوسرے تین حضرات علماء و مجتہدین کا تعلق بقیہ اسلامی بلاد سے ہے۔

مذکورہ بالا چھ صحابہ کا شمار ان مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہے جنہیں فقہ و نظر میں بلند مقام حاصل تھا جو عہدِ رسالت میں بھی فتویٰ دینے کے اہل تھے، اور فتویٰ دیتے تھے، چنانچہ مؤرخ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۸۔۲۳۰ھ نے ''طبقات الکبریٰ'' میں ایک مستقل باب:

"ذکر من کان یُفتی بالمدینه ویُقتدی به من أصحاب رسول الله ﷺ"

قائم کیا ہے اس میں ان مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کو نام بنام گنوایا ہے۔[3]

۱۔اصول الجصاص: ۲/۳۷۲۔ ۲۔طبقات الفقہا للشیرازی، ص ۱۲۔

۳۔طبقات الکبریٰ: ۲/۳۳۴، سیر اعلام النبلاء: ۲/۳۸۹۔۳۸۸، الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۱/۵۶۲، قواطع الادلہ فی الاصول: ۲/۶۲۵، تدریب الراوی: ۲/۱۲۹۔

مجتہدین صحابہؓ میں تین صحابہ رضی اللہ عنہم پر ابواب احکام کی انتہاء

امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد علی بن المدینی رحمہ اللہ المتوفی ۲۳۴ھ کا بیان ہے کہ احکام سے متعلق صحابہ رسول ﷺ کا علم تین صحابہ پر منتہی ہوا، انہی سے وہ علم سیکھا اور روایت کیا گیا۔

ا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ۲۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، ۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ ان میں سے ہر ایک کے شاگرد تھے جو ان کے قول پر عمل کرتے اور لوگوں کو فتوے دیتے تھے۔ (۱)

مذکورہ بالا بیان سے بھی یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں عوام الناس ان کے فتووں پر عمل پیرا رہتے تھے، غور فرمائیں کیا یہ تقلید شخصی نہیں؟

حضرت ابن مسعود و زید بن ثابت اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے شاگرد اپنے استادوں کے اقوال اور فتاویٰ کے مقلد و ناشر

مؤرخ علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ المتوفی ۴۶۳ھ نے بسندِ متصل علی بن المدینی رحمہ اللہ المتوفی ۲۳۴ھ کا بیان ان الفاظ میں زینتِ کتاب کیا ہے۔

"لم یکن من اصحاب النبی ﷺ أحد له أصحاب یقومون بقوله فی الفقه الا ثلاثة، عبداللّٰه بن مسعود وزید بن ثابت و ابن عباس رضی اللہ عنہم، کان لکل واحد منهم أصحاب یقومون بقوله و یفتون الناس۔" (۲)

حضور اکرم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی ایک صحابیؓ ایسا نہ تھا جس کے شاگرد فقہ میں اس کے اقوال پر جمے رہتے اور عمل کرتے اور اس کے فقہی مذہب کو اختیار کرتے ہوں۔ مگر صرف تین صحابیؓ۔ ا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، ۲۔ حضرت زید بن ثابت اور ۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم ایسے تھے کہ ان میں سے ہر ایک کے شاگرد ان کے قول کو

۱۔ الجامع: ۲/۲۸۹۔ ۲۔ مقدمہ ابن صلاح: ص ۳۳۱، سیر اعلام النبلاء: ۲/۴۳۸۔

اختیار کرتے اور لوگوں کو اس کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ شیخ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک نامور مجتہد خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام رہ گیا ہے، ابواب احکام کی جن ائمہ مجتہدین پر انتہا ہوتی ہے، وہ تین نہیں چار ہیں، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ ان تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم (پہلی صدی ہجری) میں مطلق تقلید ہی نہیں، تقلید شخصی کا بھی عوام میں رواج ہو چلا تھا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجلس کا موضوع سخن

صحابہ رضی اللہ عنہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھ کر پیش آنے والے مسئلوں کے حکموں کے متعلق آپس میں بحث و مباحثہ کرتے رہتے تھے یہ فقہی بصیرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طبیعت میں ایسی رچ بس گئی تھی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجالس میں موضوع سخن ہی فقہی مسائل ہوتے تھے۔ چنانچہ حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۴۰۵ھ "المستدرک" میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کرتے ہیں۔

"أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم إذ اجلسوا كان حديثهم "معنى الفقه إلا أن يقرأ رجل سورة او ان يأمر بقراة سورة"(1)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم جب بیٹھتے، تو ان کا موضوع سخن، ا۔ فقہ اور فقہی مسائل ہوتے تھے، مگر یہ کہ، ۲۔ کوئی صحابی کوئی سورت پڑھنی شروع کرتا، یا ۳۔ کوئی صحابی کسی کو کوئی سورت کی تلاوت کی فرمائش کرتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں موضوع سخن فقہی مسائل ہوتے تھے یا پھر قرآن کی تلاوت ہوتی تھی۔

امام ابوبکر ابوالجصاص رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۳۷۰ھ "احکام القرآن" میں فرماتے ہیں:

"أن اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم مجتمعون في المسجد يتذاكرون

ا۔ المستدرک علی الصحیحین: ۱/۲۸۶۔

حوادث المسائل فی الاحکام۔"(۲)

اصحاب رسول ﷺ مسجد میں بیٹھ کر پیش آنے والے مسئلوں کے حکموں کے متعلق آپس میں بحث مباحثہ کرتے رہتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کو فقہی بصیرت حاصل کرنے کی ترغیب وتاکید

اوراس سنّت متوارثہ پر قرآن وسنت کی رہنمائی

امام ابوبکر الجصاص رحمہ اللہ المتوفی ۳۷۰ھ "احکام القرآن" میں رقمطراز ہیں۔

محمد بن سیرین (۳۳۔۱۱۰ھ/۶۵۳۔۷۲۹ء) احنف بن قیس رحمہما اللہ (۰۰۰۔ ۶۷ھ/۰۰۰۔۶۸۶ء) سے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: قیادت وسیادت سے بہرہ مند ہونے سے پہلے فقہی بصیرت (اور مسائل کے حل کا فہم) حاصل کرو، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم مسجد میں بیٹھ کر پیش آنے والے مسئلوں کے احکام میں مباحثہ کرتے تھے۔ (ان کے بعد) تابعین بھی اس طریقے وروش پر گامزن رہے اوران کے بعد آنے والے فقہاء کا ہمارے زمانے (۳۷۰ھ/۹۸۰ء) چوتھی صدی ہجری تک یہ سلسلہ بدستور قائم ہے۔

اس حقیقت کا انکار رذیل اور جاہل لوگ کرتے ہیں جنہوں نے ملتی جلتی سنن و آثار کو اٹھا کر دیکھا، ان کے مطالب ومعانی اور احکام کو نہ پاسکے ان میں بحث کرنے اوران سے فقہی احکام نکالنے سے عاجز آگئے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"رُبّ حامل فقه غير فقيه و رب حامل فقه الى من هو أفقه منه"(۲)

بہت سے فقہی حدیثوں کے راوی فقیہ نہیں اور بہت سے فقہی حدیثوں کے سننے والے ان کا منشا ومطلب زیادہ اچھا سمجھتے ہیں۔

۱۔احکام القرآن للجصاص:۵۹۰ـ۵۹۔

۲۔سنن ابوداود:۴/۳۶۹، سنن ترمذی:۴/۳۹۲، سنن ابن ماجہ المقدمہ:۱/۲۱۹۔

اس حقیقت سے منکر جماعت کی مثال ایسی ہے جیسی مثال اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے۔

"مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا" (۱)

ان لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تھا پھر انہوں نے اس پر عمل نہ کیا، ان کی مثال گدھے کی سی ہے جو کتابیں لادے ہوئے ہو۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ" (۲)

یعنی وہ (باتیں جو یہ پوچھتے ہیں) تم پر کھولی جائیں تو تم کو بری لگیں گی۔

اس سے مراد عبداللہ بن حذافہ وغیرہ کے بے محل و بے جا سوالات ہیں جیسے "من أبی" "میرا باپ کون ہے؟ اور "أین أنا" "میں کہاں ہوں؟ جن سے ہر شائستہ انسان کو ناگواری ہوتی اور تکلیف پہنچتی ہے۔ اس قسم کے فضول و لایعنی سوالات کی قباحت و ممانعت کا اظہار اس آیۂ شریفہ میں یوں کہا گیا ہے۔

"وَإِنْ تَسْئَلُوا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ" (۳)

اور اگر تم انہیں دریافت کرتے رہو گے اس زمانے میں جب کہ قرآن اتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔

اس قسم کے سوالات کی شریعت میں اجازت نہیں۔ لیکن ایسے سوالات جن سے حق تعالیٰ کی رضا جوئی اور احکام الٰہی کی تعمیل کرنا مقصود ہو وہ اس کے زمرے میں داخل نہیں، یہی وجہ ہے کہ نت نئے مسائل کے متعلق احکام الٰہی کے اظہار و بیان سے کسی سائل کو ناگواری نہیں بلکہ خوشی و مسرت ہوتی ہے۔ (اس لئے ان پر عمل سے ہر ایک کی دینی و دنیوی زندگی سنورتی ہے، چنانچہ ایسے تمام سوالات جن کا تعلق معاش کے شعبوں سے ہو یا معاد کے ان سے مقصد احکام کی بجا آوری ہے، وہ سب "عفو" درگزر کے دائرے میں داخل ہیں) چنانچہ آیت شریفہ میں ارشاد ہے:

۱-سورۃ الجمعہ آیت: ۵۔ ۲-سورۃ المائدہ آیت: ۱۰۱۔ ۳-ایضاً۔

"عَفَا اللّٰہ عنہا" ط [1]

اللہ تعالیٰ نے ان کی بات سے درگزر کی۔

یعنی اس قسم کے دینی مسائل میں بحث وتکرار پر تم سے باز پرس نہیں کی اور ان مسائل کے حقائق تم پر روشن کر دیئے، (ذرا غور فرمائیں! یہ فقہی بصیرت کیسا عظیم احسان الٰہی ہے)

اس مقام پر "عفو" درگزر کرنے کا مطلب ایسے سوالات سے درگزر کرنا، اجازت دینا، سہولت فراہم کرنا، اور لگائی ہوئی پابندی کو ڈھیل دینا، آسانی کرنا ہے، جیسا کہ دوسری جگہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ" ج [2]

اس نے تم پر رحمت سے توجہ فرمائی اور تم سے درگزر کی۔

یہاں "عَفَا عَنْكُم" کے معنی "سَهَّلَ عليكم" کے ہیں یعنی تمہیں سہولت بخشی ہے (تم اس سے فائدہ اٹھاؤ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔

"الحلال ما أحل الله والحرام ماحرم الله وما سكت عنه فهو عفو۔"

حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا اور جس سے اللہ تعالیٰ نے سکوت وخاموشی اختیار کی وہ عفو ودرگزر کی حدود میں داخل ہے۔ [3]

اس کا مطلب یہ ہے اس میں سہولت دی گئی ہے فائدہ اٹھانے کی گنجائش رکھی گئی ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"عفوت لكم عن صدقة الخيل والرقيق۔" [4]

۱- ایضاً۔ ۲- سورۂ بقرہ: آیت ۱۸۷۔ ۳- احکام القرآن للجصاص: ۲/ ۵۹۰۔

۴- سنن ترمذی: ۱/ ۱۳۲، سنن ابی داؤد: ۱/ ۲۲۳، سنن ابن ماجہ: ۱۳۰، شرح معانی الآثار للطحاوی: ۱/ ۳۶۳، صحیح ابن خزیمہ: ۴/ ۲۸، جامع المسانید: ۱/ ۴۶۰، المصنف لابی بکر عبدالرزاق: ۶۸۷۹-۶۸۸۱، المصنف لابی شیبہ: ۳/ ۱۵۲، سنن الدار قطنی: ۱/ ۹۷، رقم ۲۰۰۲، سنن الکبریٰ للبیہقی: ۴/ ۱۱۸۔

میں نے تم سے گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ سے درگزر کی۔
مذکورہ بالا ارشادات نبوی سے اجتہاد کے موقع ومحل کی تعین بھی ہو جاتی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتہادی طریقے کی پیروی

شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ المتوفی ۴۷۳ھ "المحرر فی اصول الفقه" میں لکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد:

"اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم۔"

میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی طرح رہنما ہیں ان میں سے تم جس کی پیروی کرو گے راستے پاؤ گے، کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی اقتدا احکام الٰہی کی طلب وجستجو میں ان کے طریقے پر چلنے میں پوشیدہ ہے۔ نہ ان کی تقلید کرنے میں، اور ان کا طریقہ رائے و اجتہاد پر عمل کرنا تھا اور یہی آپ کے اس ارشاد کا کہ: میرے بعد آنے والوں کی پیروی کرو اور میرے خلفاء رضی اللہ عنہم کے طریقے پر چلتے رہو، کا مطلب تھا کہ جن باتوں میں حکم صریح نہ پاؤ ان میں ان کے طریقہ اجتہاد ورائے پر گامزن رہو۔ (۱)

بعض مجتہد اکابر واصاغر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بکثرت فتووں کے اسباب

اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے (فتوے اور) روایتیں کم ہونے کا سبب یہ ہے کہ تابعین کے فائدہ اٹھانے سے پہلے وہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے تھے (یہی وجہ ہے کہ اکابر صحابہؓ میں سے) حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے بکثرت (فتوے اور) روایتیں مروی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ "حجة اللّٰه البالغه" میں رقمطراز ہیں:

"فصارت قضایاه وفتاواه متبعقلی مشارق الارض ومغاربها"(۲)

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں اور فتووں کی اسلامی قلمرو کے مشرق ومغرب

۱- المحرر فی اصول الفقه: ۲/۸۳، اصول الجصاص: ۲/۳۸۶۔
۲- حجۃ اللہ البالغہ: ۱/۲۸۱۔

میں ہر طرف پیروی کی جاتی تھی، یہ بھی تقلید تھی۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے زیادہ زمانہ پایا، انہوں نے حکمرانی کی ان سے سوالات کیے گئے، انہوں نے لوگوں کے فیصلے چکائے، رسول اللہ ﷺ کے تمام تر صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے امام تھے، جن کی اقتدا اور پیروی کی جاتی تھی، اور یہ جو افعال و اعمال کرتے تھے ان کو نظر میں رکھا جاتا تھا۔ ان کی طرف توجہ دی جاتی تھی، ان سے فتوے پوچھے جاتے، وہ ان کا جواب دیتے تھے، انہوں نے حدیثیں سنی تھیں اور وہ حدیثیں سناتے تھے یہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے، ان کے علاوہ دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے حضرت ابوبکر (۵۱ ق ھ۔ ۱۳ھ/ ۵۷۳۔۶۳۴ء)، حضرت عثمان (۴۷ ق ھ۔ ۳۶ھ/ ۵۷۷۔۶۵۶ء)، حضرت طلحہ (۲۸ ق ھ۔ ۳۶ھ/ ۵۹۶۔۶۵۶ء)، حضرت زبیر (۲۸ ق ھ۔ ۳۶ھ/ ۵۹۴۔۶۵۶ء) حضرت سعد بن ابی وقاص (۲۳ ق ھ۔ ۵۵ھ/ ۶۰۰۔۶۷۵ء)، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (۴۴ ق ھ۔ ۳۲ھ/ ۵۸۰۔۶۵۲ء)، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح عامر بن عبداللہ (۴۰۔ ۱۸ھ/ ۵۸۴۔۶۳۹ء)، حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل (۲۲ ق ھ۔ ۵۱ھ/ ۶۰۰۔۶۷۱ء)، حضرت ابی بن کعب (۰۰۰۔ ۲۱ھ/ ۰۰۰۔۶۴۲ء)، سعد بن عبادہ (۰۰۰۔ ۱۴ھ/ ۰۰۰۔۶۳۵ء)، عبادہ بن الصامت (۳۸ ق ھ۔ ۳۴ھ/ ۵۸۶۔۶۵۴ء)، اسید بن حضیر (۰۰۰۔ ۲۰ھ/ ۰۰۰۔۶۴۱ء)، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم (۲۰ ق ھ۔ ۱۸ھ/ ۶۰۳۔۶۳۹ء) اور انہی جیسے صحابہ سے بہت کم روایتیں منقول ہیں۔ ان اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کثرت سے روایتیں منقول نہیں جس کثرت سے کم عمر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں جیسے حضرت جابر بن عبداللہ (۱۶ ق ھ۔ ۷۵ھ/ ۶۰۷۔۶۹۷ء)، ابوسعید خدری (۱۰ ق ھ۔ ۷۴ھ/ ۶۱۳۔۶۹۳ء)، ابوہریرہ عبدالرحمٰن بن صخر (۲۱ ق ھ۔ ۵۹ھ/ ۶۰۲۔۶۷۹ء)، عبداللہ بن عمر بن الخطاب (۱۰ ق ھ۔ ۷۳ھ/ ۶۱۳۔۶۹۲ء)، عبداللہ بن عمرو بن العاص (۷ ق ھ۔ ۶۵ھ/ ۶۱۶۔۶۸۴ء)، عبداللہ بن عباس (۳ ق ھ۔ ۶۸ھ/ ۶۱۹۔۶۸۷ء)، رافع بن خدیج (۱۲ ق ھ۔ ۷۴ھ/ ۶۱۱۔۶۹۳ء)، انس بن مالک (۱۰ ق ھ۔ ۹۳ھ/ ۶۱۲۔۷۱۲ء)، براء بن عازب (۰۰۰۔ ۷۱ھ/ ۰۰۰۔۶۹۰ء) رضی اللہ عنہم۔

اور انہی جیسے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، ان مذکورہ بالا تمام صحابہؓ کا شمار فقہاء

صحابہ رضی اللہ عنہم میں کیا جاتا ہے، یہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔

اور ان سے کم عمر صحابہ جیسے حضرت عقبہ بن عامر جہنی (۰۰۰۔۵۸ھ/۰۰۰۔۶۷۸ء)، زید بن خالد جہنی (۰۰۰۔۷۸ھ/۰۰۰۔۶۹۷ء)، عمران بن الحصین (۰۰۰۔۵۲ھ/۰۰۰۔۶۷۲ء)، نعمان بن بشیر (۲۔۶۵ھ/۶۲۳۔۶۸۴ء)، معاویہ بن ابی سفیان (۲۰ق ھ۔۶۰ھ/۶۰۳۔۶۸۰ء)، سہل بن سعد مساعدی (۰۰۰۔۹۱ھ/۰۰۰۔۷۱۰ء)، عبداللہ بن یزیدی الخطمی (۰۰۰۔تقریبا ۷۰ھ/۰۰۰۔۶۹۰ء)، مسلمہ بن مخلد الزرقی (۱۔۶۲ھ/۶۲۲۔۶۸۲ء)، ربیعہ بن کعب الاسلمی (۰۰۰۔تقریباً ۶۳ھ/۰۰۰۔۶۸۳ء)، ہند بن ارشا اسلمی (۰۰۰۔تقریباً ۵۰ھ/۰۰۰۔تقریبا ۶۷۰ء)، اسماء بن حارثہ اسلمی (۱۴ق ھ۔۶۶ھ/ ۶۰۶۔ ۶۸۶ء) رضی اللہ عنہم، یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے اور ساتھ رہتے تھے، چنانچہ ان سے زیادہ روایتیں منقول ہیں، اور ان دونوں میں اور انہی جیسے صحابہ ان میں علم زیادہ رہا اس لئے کہ یہ زیادہ مدت تک زندہ رہے، اور ان کی عمریں بھی لمبی ہوئیں اور تابعین کو ان کے علم سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع ملا، اور بیشتر بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم ان سے پہلے وفات پا گئے، اور ان اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ علم نہیں پھیلا، اس لئے بھی کہ اس وقت انہی صحابہ کی بڑی تعداد موجود تھی۔ (۱)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اجتہاد میں مرتبہ ومقام

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایسے بلندترین فقیہ تھے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے مجتہد اعظم وخلیفہ راشد سے فقہی مسائل میں سو سے زیادہ مسئلوں میں اختلاف رکھتے تھے، علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"أما اختلافهما فلو تقصى لبلغ أزيدمن مائة مسئلة۔" (۲)

حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے مابین اختلافی مسائل کو اگر شمار کیا جائے تو ان کی تعداد سو سے بھی زیادہ نکلے گی۔

۱۔الطبقات الکبری: ۲/۳۷۶۔ ۲۔الاحکام فی اصول الاحکام: ۶/۶۱۔

فقہ وبصیرت کا گھاٹ

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے بسند متصل حضرت مسروق کوفی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان نقل کیا ہے۔

"لقد جالست أصحاب محمد ﷺ، فوجدتهم كالاخاذ، فالاخاذ يُروى الرجل والاخاذ يروى الرجلين و الاخاذ يروى العشرة والاخاذ يروى المائة والاخاذ لو نزل به اهل الارض لا صدرهم، فوجدت عبدالله بن مسعود من ذالك الاخاذ۔ (۱)"

مجھے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہم نشینی کی سعادت حاصل رہی ہے، چنانچہ میں نے انہیں گڑھوں (تالاب) کی طرح پایا (کوئی کم علم والا کوئی زیادہ علم والا) کوئی ایک آدمی کو سیراب کرتا کوئی دو کو سیراب کرتا، کوئی دس کو اور کوئی سو دو سو کو سیراب کرتا۔ ان میں ایسا بھی تالاب تھا کہ اگر اس سرزمین والے سب ہی آتے تو وہ سب کو سیراب کر کے لوٹاتا، تو میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو (فقہی بصیرت میں) ایسا ہی تالاب پایا۔

علامہ بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۹۴ھ "البحر المحیط" میں رقمطراز ہیں۔

وأمّا ابن مسعود كان فقيه الصحابة متعدبا و بالفتوىٰ وكذلك ابن عباس و زيد بن ثابت رضی اللہ عنہم ممن شهد له الرسول بأنه أفرض الأئمة۔ المعتبر تصدية لهذا المعنى من غير نكير ۔ ولا شك في كون العشرة من أهل الاجتهاد، وكذلك من انتشرت فتاوىٰ كابن مسعود وعائشة وغيرهم رضی اللہ عنہم كثرت فتاواهم غير أن الذى اشتهر منهم الفتاوىٰ والأحكام جماعة مخصوصه۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فتوے سے وابستگی رہی ہے اس لئے وہ فقہی و

۱۔ طبقات الکبریٰ: ۳۴۳/۲۔ ۲۔ البحر المحیط: ۲۱۱/۶، ۲۱۲۔

فقیہ وصحابی کے لقب سے مشہور تھے، یہی حال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے ہیں جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے مسائل میراث کے سب سے بڑے عالم ہونے کی شہادت دی ہے، اور وہ یہ خدمت برابر سرانجام دیتے رہے اس امر میں کسی کا اختلاف نہیں، اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے مجتہدین ہونے میں بھی شک وشبہ نہیں ہے، اور ایسے صحابہ جن کے فتوے شائع ہیں جیسے ابن مسعود اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جن کے فتوے کثیر تعداد میں موجود ہیں وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو احکام (حلال وحرام) سے متعلق مسائل میں شہرت رکھتے ہیں وہ ایک مخصوص اور محدود جماعت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا روایتی معیار

اہل علم میں سے کسی کو اس بات میں شک نہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فقہ و درایت اور اتقان واحتیاط اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری وقربت کا جو مرتبہ ومقام حاصل تھا وہ کم ہی صحابہ کو حاصل ہوگا۔ چنانچہ امام عمرو بن میمون یمانی ثم کوفی رحمہ اللہ المتوفی ۷۵/۷۴ھ، کا بیان ہے:

مجھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہم نشینی کی برسوں سعادت حاصل رہی ہے۔ میں نے انہیں حدیثیں بیان کرتے ہوئے نہیں سنا۔ ایک بار انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث سنائی، تو احتیاط کا یہ عالم تھا کہ انہیں سہو کا اندیشہ وخطرہ ہوا اور خوف طاری ہوگیا، پھر فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے اس طرح سے فرمایا تھا، یا اس کے قریب قریب بات کہی تھی، یا اسی قسم کے الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔ علم میں ان کا یہ مقام تھا کہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے وقت گھبراہٹ طاری ہو جاتی تھی، بیان روایت میں احتیاط کا یہ حال تھا۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا بلند معیار کا اندازہ مورخ اسلام علامہ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ المتوفی ۷۴۸ھ کے بیان سے کیا جاسکتا ہے وہ

۱- اصول الجصاص: ۲۲/۲۔

"تذکرۃ الحفاظ" میں رقمطراز ہیں۔

"ابو عبدالرحمٰن عبداللہ ابن ام عبدالھذلی صاحب رسول اللہ ﷺ، وخادمہ و أحدالسابقین الأولین، ومن کبار البدریین، ومن نبلاء الفقہاء والمقرئین، کان ممن یتحری فی الأداء و یتشدد فی الروایۃ ویزجر تلامذتہ عن التھاون فی ضبط الالفاظ۔"(۱)

حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن ام عبد ہذلی رضی اللہ عنہ ۱۔رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں، ۲۔ان کے خادم ہیں، ۳۔سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔ ۴۔بڑے بدری صحابہ میں ہیں، ۵۔نہایت بلند پایہ فقہا اور ۶۔قاریوں میں سے ہیں، ۷۔ان صحابہ میں سے ہیں جو بیان روایت میں متشدد بہت سخت۔۸۔اور بہت محتاط تھے۔ ۹۔وہ اپنے شاگردوں کو الفاظ حدیث کے ضبط میں سستی اور ۱۰۔بے احتیاطی پر سختی سے روک ٹوک کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایتی معیار کتنا سخت اور بلند تھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مجتہدین کو ہدایت

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: ہم پر ایسا زمانہ بھی گزرا کہ ہم فیصلہ نہیں کرتے تھے، فتویٰ نہیں دیتے تھے۔ کیونکہ اس وقت ایسے مسائل (اجتہادیہ) پیش نہیں آتے تھے۔ پس اگر کسی کو حکم بتانا ہو تو کتاب سے بتائے اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو سنت رسول اللہ ﷺ سے بتائے، اور اگر آپ ﷺ کی سنت میں بھی نہ ہو۔
تو پھر اپنی رائے سے حکم بتائے اور فیصلہ صادر کرے۔(۲)

لہٰذا اگر نئے مسائل میں اجتہاد سے کام لینے کا پہلے سے رواج نہ ہوتا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مجتہدین کو اپنی اجتہادی رائے اور فقہی بصیرت سے مسئلے کا حکم پیش کرنے کی ہدایت نہ فرماتے، اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امر پر ان کی نکیر کرتے، یہ بات

۱۔تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳۔۱۴۔
۲۔اصول الفقہ للجصاص: ۲/ ۲۳۱

(ان پر نکیر نہ کرنا) اس امر کی شاہد ہے کہ ان کے یہاں اجتہادی رائے پر عمل کا معمول اور دستور تھا۔[1] اسی لئے جس میں اجتہاد کی اہلیت وصلاحیت نہ ہو اس کو اجتہاد کی ہرگز اجازت نہیں۔[2]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذہب وفتووں کی تشکیل وتدوین

علامہ ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ المتوفی ۷۵۱ھ نے "اعلام الموقعین" میں امام محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ المتوفی ۳۱۰ھ کا بیان نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

"لم یکن احد له اصحاب معروفون، حرروا فتیاه و مذهبه غیر ابن مسعود۔"[3]

کوئی مجتہد صحابی ایسا نہ تھا سوائے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے جس کے مشہور ومعروف شاگرد اس کے فتووں اور اس کے مذہب کو قید تحریر میں لائے ہوں۔

سب سے پہلے تشکیل وتدوین مذہب وفتووں کی جمع وترتیب کی سعادت صرف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کو حاصل ہے اور وہ بھی مرکز علم کوفہ میں۔

اصول استنباط کی تشکیل وتدوین میں مجتہدین صحابہؓ کے تلامذہ کی مساعی جمیلہ

حقیقت یہ ہے کہ شریعت کے تمام ابواب میں غور وخوض کرنے اور شریعت کے اصول کی روشنی میں اسلامی معاشرے میں پیش آنے والے مشکل مسائل کو حل کرنے کے اصول استنباط اور قواعد استخراج کی تشکیل وتدوین میں ائمہ مجتہدین اور ان کے شاگردوں کی مساعی جمیلہ کا یہ ثمرہ ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالقاہر بغدادی رحمہ اللہ المتوفی ۴۲۹ھ "اصول الدین" میں فرماتے ہیں کہ۔

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے چار صحابیؓ

۱۔ حضرت علی، ۲۔ عبداللہ بن مسعود، ۳۔ زید بن ثابت انصاری خزرجی، ۴۔

۱۔ ایضاً: ۲/ ۲۳۱۔ ۲۔ ایضاً: ۲/ ۲۳۶۔ ۳۔ اعلام الموقعین عن کلام رب العالمین: ۱/ ۲۰

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے تمام ابواب فقہ (شریعت) میں بحث کی ہے۔ یہ چار صحابہؓ کسی مسئلے میں کسی قول پر اتفاق کریں تو مبتدع کے سوا کہ فقہ میں اس کے اختلاف کا اعتبار نہیں، مسلم امہ، ان کے قول پر مجتمع ہو جاتی ہے اور اسے اجماع کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہؓ کے قول کے مقابلے میں اپنی رائے اور قول میں منفرد ہوں، اس میں محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ انصاری (۷۴-۱۴۸ھ/۶۴۰-۷۶۵ء) عامر بن شراحیل شعبی کوفی (۱۹-۱۰۳ھ/۶۴۰-۷۲۱ء) اور عبیدہ بن عمرو سلمانی رحمہم اللہ (۷۲ھ/ ۶۹۷ء) ان کی اتباع کرتے ہیں۔

اور ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ منفرد ہوئے اس میں امام مالک وشافعی رحمہما اللہ اکثر ان کی پیروی کرتے ہیں اور مدینہ کے فقہاسبعہ میں سے ان کے فرزند خارجہ رحمہ اللہ یقیناً انہی کے قول پر عمل کرتے ہیں۔ اور ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ منفرد ہوئے، اس میں عکرمہ بن عبداللہ بربری مدنی (۲۵-۱۰۵ھ/ ۶۴۵-۷۲۳ء) اور سعید بن جبیر کوفی رحمہما اللہ (۴۵-۹۵ھ/ ۶۶۵-۷۱۴ء) ان کی اتباع کرتے ہیں۔

اور ہر وہ مسئلہ جس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ منفرد ہوئے، اس میں علقمہ بن قیس نخعی کوفی (۶۲ھ/ ۶۸۱ء) اسود بن یزید نخعی کوفی (۷۵ھ/۶۹۴ء) اور ابوثور ابراہیم بن خالد کلبی بغدادی رحمہم اللہ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ (1)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی نظر میں ان مذکورہ بالا ارباب فقہ ونظر اور مجتہدین صحابہؓ کی فقہی بصیرت و دقت نظر کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ، وہ ان سے مروی احادیث کی موجودگی میں قیاس کی اجازت نہیں دیتے، چنانچہ امام فخر الاسلام بزدوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"إن كان الراوي معروفاً بالفقه، و التقدم في الاجتهاد، كالخلفاء الراشدين، و العبادلة الثلاثة، و زيد بن ثابت، و معاذ بن جبل، و أبي موسى

۱- اصول الدین للبغدادی: ص ۳۱۱۔

الاشعری و عائشة، رضی اللہ عنہم، وغیرهم ممن اشتهر بالفقه والنظر، حديثهم حجة، يترك به القياس، وإن كان الراوی معروفاً بالعدالة والحفظ دون الفقه، مثل أبی هريرة، وانس بن مالک رضی اللہ عنہم، فإن وافق حديثه القياس، عمل به، وإن خالفه لم يترک الحديث الاللضرورة۔" (۱)

راوی کو اگر تفقہ اور اجتہاد میں شرف تقدم وشہرت حاصل ہے جیسا کہ خلفاء راشدین اور عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، اور عبداللہ بن عمر، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم ہیں اور ان کے علاوہ بھی صحابہؓ ہیں، جن کو فقہ ونظر میں شہرت حاصل ہے ان کی حدیث حجت ہے ان کی حدیث کے مقابلے میں قیاس کو چھوڑا جائے گا۔

اور راوی اگر عدالت اور حفظ میں مشہور ومعروف ہے لیکن فقہ میں مشہور نہیں جیسے حضرت ابوہریرہ، وحضرت انس رضی اللہ عنہما ہیں ایسے راوی کی حدیث اگر قیاس کے مطابق ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا اور اگر اس کی حدیث قیاس کے مخالف ہے، تو اس حدیث کو نہیں چھوڑا جائے گا مگر ضرورت کی وجہ سے یعنی قیاس کا دروازہ مطلقاً بند نہ کیا جائے۔ بلکہ قیاس کیا جائے گا۔

یہاں یہ نکتہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کہ مذکورۂ بالا آئمہ مجتہدین کی مختصر جماعت کو یہ امتیاز وخصوصیت اس لئے حاصل تھی کہ ان برگزیدہ شخصیات کے اجتہادات پر صحت وسلامتی کی مہر تصدیق بارگاہ رسالت سے ثبت ہو چکی تھی اور انہیں افتاء وتعلیم کی اجازت حاصل تھی، چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۲۳۹ھ ''فتاوی عزیزی'' میں رقمطراز ہیں۔

''کسانیکہ بحضور آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم بپایۂ اجتہاد کامل رسیدہ بودند وآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اجتہادات ایشان را تصویب فرمودند، وبفتوی وتعلیم اجازت فرمودہ بودند، مثل حضرت عمر، وعلی، ومثل عبداللہ بن مسعود، ومعاذ بن جبل وزید بن ثابت رضی اللہ عنہم وامثالہم'' (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جنہیں اجتہاد کامل نصیب تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ اصول البزدوی: ۳/۳۲۸، اصول السرخسی/ج ۲/ص ۳۳۸۔ ۲۔ فتاوی عزیزی: ۱/۱۱۸۔

نے ان کے اجتہادات پر مہر تصدیق ثبت فرمائی اور انہیں فتوی وتعلیم دینے کی اجازت دی تھی جیسے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور انہی کی طرح بعض دوسری شخصیات ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ کے تلامذہ کا فقہی مقام حضرت عمرؓ وعلیؓ کی نظر میں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کو اجتہاد وفقہی بصیرت میں ایسا پختہ کیا تھا کہ دور فاروقی وعثمانی اور عہدِ مرتضوی میں کوفہ کا قاضی حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ (۷۸ھ/ ۶۹۷ء) کو بنایا گیا تھا جنہوں نے بعض مقدمات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف فتوی دیا تھا، اور انہیں عہدۂ قضاء سے معزول نہیں کیا گیا چنانچہ ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ان علیا و عمر رضی اللہ عنہما قد ولیا شریحاً القضاء ولم یعترضا علیه فی احکامه، مع اظهاره الخلاف علیهما فی کثیر من المسائل۔ (۱)

حضرت عمر وحضرت علی رضی اللہ عنہما نے حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ کو کوفہ کا قاضی بنایا اور ان کے فیصلوں پر اعتراض نہیں کیا باوجود یکہ قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے مسئلوں میں ان سے اختلاف کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھا تو حاضرین مجلس سے فرمایا:

"کنیف ملئ علماً۔"

یہ علم کا باڑا ہے، دوسری مرتبہ فرمایا:

"کنیفٌ ملئ فقهاً۔"

تفقہ وفقہی بصیرت کی جولان گاہ ہے۔ (۲)

خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کو:

۱- اصول الجصاص/ ج ۲/ ص ۱۵۶، ۱۵۷۔

۲- الطبقات الکبریٰ/ ۲/ ۳۴۴۔

"اصحاب سرج هذه القرية۔"

یہ اس بستی (کوفہ) کے علمی چراغ ہیں۔

کے لقب سے یاد کرتے تھے۔[1] اس سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے علمی مقام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

شاگردانِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فقہی مرتبہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نظر میں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قدر کرتے اور جب وہ آتے، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کی دعوت کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم رحمہ اللہ نے حضرت مسروق رحمہ اللہ کا یہ بیان نقل کیا ہے:

کان ابن عباس رضی اللہ عنہما اذا قدم علیہ اصحاب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صنع لھم طعاماً و دعاھم، قال: صنع لنا مرۃ طعاماً، نجعل یسال و یُفتی، و کان یخالفنا فما کان یمنعنا ان ترد علیہ الا اکلنا علی طعامہ۔[2]

حضرت بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد آتے، تو وہ ان کے لئے کھانا تیار کراتے، انہیں بلاتے تھے، حضرت مسروق رحمہ اللہ نے کہا: ایک بار انہوں نے ہمارے لئے کھانا تیار کیا۔ پھر مسائل پوچھنے اور فتویٰ دینے لگے، اور مسائل میں ہماری مخالفت کرنے لگے، ہمیں جواب دینے سے یہی بات مانع رہی کہ ہم ان کے یہاں کھانے پر مدعو تھے، (یہ موقع بحث و مباحثہ کے لئے موزوں نہیں تھا اس لئے ہم نے اس سے گریز کیا۔)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کا عہدِ صحابہ میں اجتہاد اور خدمتِ افتاء

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ دورِ صحابہؓ میں اجتہاد کرتے تھے اور ان کے فتووں کو مانا جاتا تھا، چنانچہ امام ابو اسحاق شیرازی شافعی رحمہ اللہ المتوفی ۴۷۶ھ تحریر فرماتے ہیں۔

۱۔ تاریخ الثقات: ص ۲۷۶۔ ۲۔ اصول الجصاص ۲/۱۵۶۔۱۵۷۔

"اصحاب عبداللہ بن مسعودؓ کشریح والاسود وعلقمہ رحمہم اللہ کانوا یجتھدون فی زمن الصحابۃ، ولم ینکر علیھم احد۔"(1)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد جیسے قاضی شریح، اسود اور علقمہ رحمہم اللہ عہد صحابہؓ میں اجتہاد کرتے تھے اور کسی نے ان پر نکیر نہیں کی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کا روایتی وثقاہتی معیار

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کو فقہ حدیث میں جو مرتبہ ومقام حاصل تھا اس کا اندازہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس بیان سے کیا جاسکتا ہے، موصوف لکھتے ہیں:

"واما علماء أهل الحديث كشعبة و يحى بن سعيد، و أصحاب الصحيح والسنن فكانوا يميزون بين الثقات الحفاظ وغيرهم فيعلمون من بالكوفة والبصرة من الثقات الذين لاريب فيهم، وأن فيهم من هو افضل من كثير من أهل الحجاز، ولا يستريب عالم في مثل اصحاب عبدالله بن مسعود كعلقمة، (۶۲ھ/۶۸۲ء) و الأسود (۷۵ھ/۶۹۴ء) و عبيدة السلمانى (۷۲ھ/۶۹۱ء) والحارث التيمى (۶۵ھ/۶۸۵ء) و شريح القاضى (۷۸ھ/۶۹۷ء) ثم مثل إبراهيم النخعى، والحكم (۴۶ھ ۔ ۱۱۵ھ/ ۶۶۶ ۔ ۷۳۳ء) وأمثالهم من أوثق الناس وأحفظهم فلهذا صار علماء أهل الاسلام متفقين على الاحتجاج بما صححه اهل العلم بالحديث من اى مصر كان، وصنف أبوداود السجستانى "مفاريد أهل الامصار" يذكر فيه ما انفرد أهل كل مصر من المسلمين من اهل العلم بالسنة۔" (۲)

اور لیکن اہل حدیث جیسے شعبہ اور یحییٰ بن سعید القطان رحمہما اللہ اور ارباب صحاح ستہ وسنن، حفاظ اور غیر ثقات میں تمیز کرتے تھے، چنانچہ وہ کوفہ اور بصرہ کے ایسے ثقہ راویوں

۱۔ کتاب اللمع: ص ۱۸۸۔ ۲۔ مجموع الفتاویٰ: ۲۰/ ۳۱۷۔

کو جن کی ثقاہت شک وشبہ سے بالاتر ہے خوب جانتے تھے، اور ان میں بہت سے ایسے راوی بھی ہیں جو بہت سے حجازی راویوں سے بھی افضل و برتر تھے۔ اور کوئی عالم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی ثقاہت کے متعلق شک وشبہ میں پڑتا ہی نہیں تھا، جیسے علقمہ، اسود، عبیدہ سلمانی، حارث تیمی، شریح قاضی، ابراہیم نخعی، حکم بن عتیبہ رحمہم اللہ، ان کے بعد انہی جیسے حفاظ روات سب سے زیادہ معتبر اور سب سے بڑھ کر حافظ حدیث موجود تھے۔ چنانچہ علماء اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شناسان حدیث نے جن حدیثوں کو صحیح قرار دیا ہے ان سے استدلال اور حجت پیش کرنا درست ہے۔ ان اہل علم کا تعلق خواہ کسی شہر سے ہو، اور ابوداود سجستانی رحمہ اللہ نے ایسی حدیثوں کو جن کی روایت میں ہر شہر کے علماء منفرد ہیں انہیں ایک کتاب میں جمع کیا ہے جو "مفارید اھل الامصار" کے نام سے مشہور ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی کوفہ میں تعلیمی خدمات کا فیضان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی تعلیمی خدمات کے متعلق محمد بن سیرین رحمہ اللہ المتوفی ۱۱۰ھ کے بھائی نامور عالم انس بن سیرین بصری رحمہ اللہ (۳۴-۱۲۰ھ/ ۶۷۵-۷۳۸ء) (۱۰۴) کا بیان قاضی حسن بن خلاد رحمہ اللہ المتوفی ۳۶۰ھ نے بسند متصل "المحدث الفاصل" میں زینت کتاب کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

"قدمت الكوفة قبل الجماجم فرأيت فيها أربعة آلاف يطلبون الحديث، وأربعمائة قد فقهوا۔"(1)

میں دیر جماجم کے واقعہ یعنی ۸۲ھ سے پہلے کوفہ میں گیا تو میں نے دیکھا کہ یہاں چار ہزار طلبہ حدیث پڑھتے تھے۔ اور چار سو طلبہ فقیہ بن چکے اور فقہی بصیرت حاصل کر چکے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد تابعین میں صرف کوفے میں چار سو فقیہ موجود تھے۔ دوسرے اسلامی قلمرو کے بلاد اور دیہات کا کیا ذکر؟

۱- المحدث الفاصل: ۵۶۰۔

ذرا نظر کو بلند کیجئے عہد صحابہؓ میں کسی صحابی کے شاگردوں کو کہیں ایسے القاب سے یاد کیا گیا ہے، اور کیا کسی مجتہد کی تعلیمی و تدریسی خدمات کو خلافت راشدہ میں ایسے شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا گیا ہے، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کو پیش کیا ہے، یہ نتیجہ وثمرہ اس فقہی بصیرت کا ہے جو انہیں حاصل تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی تعلیمی و تدریسی خدمات کے عہد اموی میں جو شاندار نتائج وثمرات اور ان کے دیرپا اثرات کوفہ میں نکلے اس کی نظیر اسلامی قلمرو کے وسیع وعریض قطعہ میں کہیں اور مشکل سے ملے گی۔

عہد عباسی میں اس کا اثر کوفہ میں حدیث کی گرم بازاری

کوفہ میں حدیث کی گرم بازاری کا اندازہ قاضی حسن بن خلاد امہر مزی رحمۃ اللہ علیہ (تقریباً ۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۳ء) نے "المحدث الفاصل" میں محدث بغداد حافظ عفان بن مسلم بصری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۰۔۲۲۰ھ/ ۷۴۷۔۸۳۵ء) سے بسند متصل نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

"فقد منا الكوفة فاقمنا أربعة اشهر، ولو اردنا ان نكتب مائة الف حديث لكتبناها فما كتبنا الا قدر خمسين الف حديث وما رضينا من أحد الا بالاملاء إلا شريكا، فانه ابى علينا وما راتينا بالكوفة لحاناً مجوزا۔"(۱)

ہم کوفہ میں آئے تو چار مہینے ٹھہرے، ہم اگر یہاں یہ چاہتے کہ ایک لاکھ حدیثیں لکھیں تو لکھ سکتے تھے مگر ہم نے صرف پچاس ہزار حدیثیں لکھیں پھر کسی اور سے املاء کے علاوہ راضی نہ ہوئے مگر شریک رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کہ انہوں نے ہم سے انکار کیا اور ہم نے کوفہ میں کسی ایسے آدمی کو نہیں دیکھا کہ جو عربیت میں غلطی کرے اور اس کو روا رکھے۔

حضرت عفان رحمۃ اللہ علیہ جس شہر میں چار مہینے میں پچاس ہزار حدیثیں لکھیں اس شہر میں حدیث کی کثرت کا کیا ٹھکانا!۔

۱۔المحدث الفاصل: ص۵۵۹۔

عہد تابعین میں فقہی تربیت:

''عہد نبوی میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی فقہی تربیت اور اس کے نتائج وثمرات'' کی سرگزشت جو خیر القرون کی دو اہم کڑیوں ۱۔عہد رسالت، اور ۲۔عہد صحابہ پر محیط تھی۔

اس سلسلے کی تیسری اہم کڑی عہد تابعین [1] پر مشتمل ہے۔ یہ گوناگوں پہلو رکھتی ہے اس میں بحث کی زیادہ گنجائش ہے، بعض جامعات میں اس کے بعض پہلوؤں پر تحقیق کام ہوا بھی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس طرح عہد صحابہ میں پانچ صحابہ رضی اللہ عنہم نے احکام پر کام کیا، دور صحابہ میں کسی اور صحابی سے اس میں شرکت منقول نہیں، اسی طرح عہد تابعین میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پہلے تابعی ہیں، جن سے شریعت کے تمام ابواب کی تشکیل و تدوین کتابی صورت میں ظہور پذیر ہوئی۔ یہ کام قدرت کی طرف سے انہی کے لئے مقدر تھا، وہی احکام شریعت کا سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ چنانچہ نقد حدیث و رجال کے اپنے وقت کے مشہور عالم یحیٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ (۱۲۰۔۱۹۸ھ/ ۷۳۷۔۸۱۳ء) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق فرماتے تھے:

''إنّه و اللّٰه اعلم هذه الامة بما جاء عن اللّٰه و رسوله'' [2]

واللہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس امت میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے سب سے بڑے عالم تھے۔

۱۔ یہاں امر ملحوظ خاطر رہے کہ تابعین کرام کا عہد ۱۸۰ھ، ۷۹۶ء میں ختم ہوا ہے۔ چنانچہ علامہ حافظ سراج الدین معروف بابن الملقن رحمہ اللہ المتوفی ۸۰۴ھ، ''المقنع فی علوم الحدیث'' مکہ، دار فلفلو از المتشر، ۱۴۱۳ھ۔ ۲/ ۵۱۵ میں اور ''صاحب تدریب الراوی'' طبعہ مکہ ۱۳۷۹ھ، ص ۴۳۳، رقمطراز ہیں کہ:

''اوّل التابعين وفاة ابوزيد معمد بن زيد سنة ثلاثين في خلافة عثمان و آخرهم خلف بن خليفه، مات بعد ثمانين''

تابعین میں سب سے پہلے وفات پانے والے ابوزید معمد بن زید رحمہ اللہ تھے، موصوف خلافت عثمانی ۳۰ھ میں شہید ہوئے تھے۔ اور تابعین میں سب سے آخر میں انتقال کرنے والے خلف بن خلیفہ رحمہ اللہ تھے، موصوف کا انتقال ۱۸۰ھ میں ہوا۔

۲۔ مقدمۃ کتاب التعلیم: ص ۱۳۴۔

چنانچہ فقہی خدمت کی یہ سعادت دوسرے قرون میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کے حصہ میں آئی، مفتی مشرق محدث و فقیہ خلف بن ایوب بلخی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۹۔۲۰۵ھ) فرماتے تھے:

"صار علم من الله تعالٰی الی محمد ﷺ ثم صار إلی أصحابه ثم صار إلی التابعین، ثم صار إلی ابی حنیفة و اصحابه فمن شاء فلیرض ومن شاء فلیسخط۔"(۱)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم محمد ﷺ کو پہنچا، پھر وہ علم رسالتماب ﷺ کی طرف سے صحابہ کرامؓ میں آیا، پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے تابعین رحمہم اللہ میں پھیلا، پھر تابعین میں یہ علم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں میں آیا، سو جو چاہے اس (حقیقت) پر خوش ہو اور جو چاہے اس پر ناراض ہو۔

اس تاریخی حقیقت کو علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

"من مناقب ابی حنیفة التی انفرد بها، أنّه اوّل من دوّن علم الشریعة ورتّبه ابوابا، ثم تبعه مالک بن انس فی ترتیب الموطاء ولم یسبق اباحنیفة احد"(۲)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ان خصوصی مناقب میں سے جن میں وہ یکتا و منفرد ہیں، ایک یہ ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو مدون کیا اور اس کی ابواب پر ترتیب کی، پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطاء کی ترتیب میں ان کی پیروی کی اور اس امر میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں۔

ان وجوہ سے اس دوسری تیسری کڑی میں فقہائے تابعین کی مجتہدانہ سرگرمیوں کی مختصر نشاندہی کے بعد عہد تابعین میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فن حدیث، فقہ، رجال میں علمی خدمات و مقام اور اسلامی قلمرو میں ان کے علمی و تحقیقی ورثے کے ثمرات و نتائج کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

۱۔ تاریخ بغداد: ۱۳/۳۳۶۔
۲۔ تبییض الصحیفہ: ص ۳۶۔

تابعین رحمہم اللہ کی مجلس میں فقہی مسائل میں مذاکرہ

اس سنت متواترہ و متوارثہ پر تابعین رحمہم اللہ کے دور میں عمل جاری رہا، چنانچہ مؤرخ اسلام علامہ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ المتوفی ۷۴۸ھ نے "تاریخ الاسلام" میں نامور محدث فضیل [1] بن غزوان ضبی کوفی رحمہ اللہ المتوفی بعد ۱۴۰ھ/ ۷۵۷ء کا بیان نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"کنا نجلس انا و مغیرہ [2] وعدد ناسا نتذاکر الفقہ فربما لم نقم حتی نسمع النداء لصلاۃ الفجر۔" [3]

ہماری رات میں بیٹھک رہتی تھیں اور مغیرہ ابن مقسم ضبی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۳ھ

۱۔ فضیل بن غزوان الضبی الکوفی رحمہ اللہ (بعد ۱۴۰ھ) کا تذکرہ ذہبی رحمہ اللہ نے "الامام المحدث الثقہ" کے الفاظ سے کیا ہے۔ یہ صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں، حضرت عکرمہ مولی ابن عباس اور سالم بن عبداللہ وغیرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں:

"محمد بن فضیل، عبداللہ بن المبارک اور یحییٰ القطان وغیرہ موصوف سے روایت کرتے ہیں امام احمد بن حنبل وغیرہ رحمہ اللہ نے موصوف کو ثقہ قرار دیا۔

یہ ایسے بلند پایہ فقہا میں سے ہیں جن کی راتیں فقہی مسائل کی بحث میں گزرتی تھیں، امام موصوف کا تذکرہ علامہ شیرازی رحمہ اللہ نے "طبقات الفقہاء" میں اور ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ سے غیر معمولی جستجو کے باوجود نام رہ گیا بلکہ اور بھی ایسے کتنے فقہاء و مجتہد ہوں گے جن کا تذکرہ و نام ان سے رہ گیا ہوگا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج ۶، ص ۲۰۳، تہذیب الکمال، بیروت، دار المامون للتراث، ج ۲، ص ۵۔۱۱)

۲۔ مغیرہ بن مقسم الضبی مولاہم الاعمیٰ الکوفی صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں، مورخ ذہبی رحمہ اللہ نے موصوف کا تذکرہ ان الفاظ سے کیا ہے۔ الامام، العلامہ الثقہ الضبی الکوفی الاعمیٰ رحمہ اللہ،

صغار تابعین میں موصوف کا شمار ہوتا ہے، عکرمہ، ابراہیم نخعی اور شعبی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، تابعین میں سلیمان تیمی رحمہ اللہ نے موصوف سے روایت کی ہے۔ شعبہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ یہ حکم اور حماد رحمہ اللہ دونوں سے بڑے حافظ تھے اور ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ کہتے ہیں: (سیر اعلام النبلاء، ۱۱/۶)،

"ما رأیت افقہ منہ"

میں نے موصوف سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا چنانچہ میں ان سے چمٹا رہا، جریر بن عبدالحمید =

اور چند اہل علم کا نام اور لیا، سب فقہی مسائل میں مذاکرہ کرتے اور بسا اوقات اس مجلس سے کوئی اٹھتا نہیں، تا آنکہ فجر کی اذان سنتے اور نماز فجر کے لئے اٹھتے تھے۔

رائے (فقہی بصیرت) اور مطالب ومعانی حدیث میں ربط وتلازم

وہ مجتہدین وفقہائے امت جنہوں نے اس سنت متواترہ ومتوارثہ کی آبیاری کی

= نے موصوف کے حفظ کے متعلق خود مغیرہ کا قول نقل کیا کہ "ما وقع فی مسامعی شئی فنسیتہ" میرے کانوں میں کوئی چیز پڑی ہو پھر میں اس کو بھولوں ایسا نہیں ہوا، اس پر علامہ الذہبی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں:

"ھذا واللہ الحفظ، لا حفظ من درس کتاباً مرات عدۃ، حتی عرضہ، ثم تخبط علیہ، ثم درسہ فحفظہ، ثم نسیہ او اکثرہ"۔ (ایضاً)

واللہ حفظ یہ ہے، اس کا حفظ نہیں جس نے کتاب کئی بار پڑھائی، یہاں تک کہ اسے طلبہ میں پیش کیا انہیں پڑھائی، سنائی۔ پھر اس پر توجہ کی اور محفوظ کرلی، پھر اسے پڑھایا تو یاد کیا پھر اسے بھول گئے یا اس کا اکثر حصہ ذہن سے جاتا رہا۔

حافظ عجلی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۶۱ھ فرماتے ہیں:۔

"مغیرہ ثقۃ فقیہ کان من فقہاء اصحاب ابراہیم، وکان اعمیٰ"

(تاریخ الثقات ص ۴۳۷، وسیر اعلام النبلاء ۶، ص ۱۲)

مغیرہ، رحمۃ اللہ علیہ ثقہ اور فقیہ تھے، ابراہیم نخعی کے شاگردوں میں سے تھے اور اندھے تھے۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

"کان ثقۃ کثیر الحدیث" (الطبقات الکبریٰ: ۶/ ۳۳۷) مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ اور ان کے پاس حدیث کا ذخیرہ بہت تھا۔

امام کا قول ۱۳۳ھ اور ابن سعلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ۱۳۳ھ میں انتقال ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے آخر سے دوسری صدی ہجری کی تیسری دہائی تک فقہا کا جن میں اندھے بھی ہوتے راتوں میں فقہی مسائل پر بحث کا معمول تھا۔ مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اس سنت متواترہ پر گامزن رہے، پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں نے اس طریقہ کو اپنایا اور یہ طریقہ امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۳۷۰ھ کے زمانے تک اس پر عمل جاری تھا۔ (احکام القرآن للجصاص: ۲/ ۵۹۰)

۳۔ تاریخ الاسلام: (حوادث ووفیات ۱۲۱ تا ۱۳۰ھ) ص ۵۴۲

اور اسے زندہ رکھا، انہی پر طعن وتشنیع کی جاتی ہے، تذکرہ ورجال کی کتابوں میں انہیں ''اصحاب الرأی'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ سنت کو چھوڑ کر رائے پر عمل کرتے ہیں، حالانکہ یہی مجتہدین وفقہاء سنت وآثار کے معانی ومطالب کو بہتر سمجھتے، اور وہ ان کی نسبت ان پر عمل بھی زیادہ کرتے ہیں، ان مجتہدین وفقہاء کے معانی ومطالب حدیث کو بہ غور سمجھنے کا اعتراف امام بخاری رحمہ اللہ کے نامور شاگرد امام ترمذی رحمہ اللہ کو ہے، وہ فرماتے ہیں:

''وھم (الفقھاء) اعلم بمعانی الحدیث'' وہ فقہاء معانی حدیث کو بہتر طور پر جانتے سمجھتے ہیں

حدیث اور رائے میں حنفیہ کا نقطہ نظر

فقہاء سنت پر عمل کے زیادہ دلدادہ ہیں، اس لئے کہ فقہی بصیرت اور معانی حدیث کی تفہیم میں گہرا ربط وتلازم ہے۔ ان (حنفیہ) کا بنیادی اصول جو آب زر سے لکھنے کے لائق ہے، یہ ہے کہ:

''لایستقیم العمل بالحدیث الا بالرائی، ولا یستقیم العمل بالرائی الاّ بالحدیث''

رائے (فقہی بصیرت) کے بغیر حدیث پر عمل درست نہیں، اور حدیث کے بغیر فقہی بصیرت بے معنی شے ہے۔

اس اصول کی طرف امام محمد رحمہ اللہ نے '' کتاب ادب القاضی ''میں رہنمائی کی ہے۔ (1)

اس اصول کی روشنی میں ارباب اصول فقہ اور فقہاء یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ائمہ احناف کا سنت پر عمل دوسرے ائمہ مجتہدین کی نسبت سے زیادہ ہے، چنانچہ شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ ''اصول السرخسی ''میں رقم طراز ہیں:

۱-: دراصل یہ بات ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے منقول ہے، اس حقیقت کا انکشاف سب سے پہلے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے ہی کیا ہے، البتہ اس کو زیادہ چرچا اور شہرت امام محمدؒ کے قول سے حاصل ہوئی ہے۔ حلیۃ الاولیاء: ۴/ ۲۲۵، رقم ۵۳۳۳۔

"قال (محمد بن الحسن في ادب القاضي) لا يستقيم العمل بالحديث الا بالرای، ولا يستقيم العمل بالرأی الا بالحديث، وأصحابنا هم المتمسكون بالسنة والرأی الحقيقة، فقد ظهر منهم من تعظيم السنة مالم يظهر من غيرهم ممن يدعى أنه صاحب الحديث؛ لأنهم جوزوا نسخ الكتاب بالسنة لقوة درجتها، وجوزوا العمل بالمراسيل، وقدموا خبر المجهول على القياس، وقدموا قول الصحابي على القياس، لأن فيه شبهة السماع من الوجه الذی قررنا، ثم بعد ذلك كله عملوا بالقياس الصحيح وهو المعنى الذی ظهر أثره بقوة فأما الشافعی رحمه الله حين لم يجوز العمل بالمراسيل فقد ترك كثيراً من السنن، وحين لم يقبل رواية المجهول فقد عطل بعض السنة أيضاً، وحين لم يرتقليد الواحد من الصحابة فقد جوز الإعراض عما فيه شبهة السماع، ثم جوّز العمل بقياس الشبه وهو ممّا لا يجوز أن يضاف إليه الوجوب بحال فما حاله إلا كحال من لم يجوز العمل بالقياس أصلا، ثم يعمل باستصحاب الحال فحمله ما صار إليه من الاحتياط على العمل بلا دليل وترك العمل بالدليل، وتبين أن أصحابنا هم القدوة في أحكام الشرع أصولها وفروعها، وأن بفتواهم اتضح الطريق للناس الا أنه بحرٌ عميق لايسلكه كل سابح، ولا يستجمع شرائطه كل طالب، والله الموفق[1]

امام محمد رحمہ اللہ نے "کتاب ادب القاضی" میں تصریح کی ہے کہ: حدیث پر

۱- اصول السرخسی: ۲/۱۱۳، (ولہ) البحر المحیط فی اصول الفقہ: ۲/۸۷ ـ

عمل فقہی بصیرت کے بغیر درست نہیں ہوتا، اور حدیث کے بغیر فقہی بصیرت درست نہیں۔
حقیقت میں ہمارے اصحاب (متقدمین ائمہ حنفیہؒ) نے سنت پر عمل کو مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے، چنانچہ ا۔حدیث شریف کی تعظیم و تکریم جیسی ان سے ظاہر ہوتی ہے اور اصحاب الحدیث میں نہیں پائی جاتی، اس امر کی دلیل یہ ہے کہ ۲۔انہوں نے (اصحاب الرائے) نے سنت کو اتنا قوی درجہ دیا ہے کہ اس سے کتاب اللہ کا نسخ جائز سمجھا ہے۔۳۔مرسل روایتوں پر عمل درست قرار دیا۔۴۔مجہول راوی کی روایت کو قیاس پر مقدم کیا ہے۔ ۵۔صحابی رضی اللہ عنہ کے قول کو قیاس پر فوقیت دی، اس لئے کہ صحابی رضی اللہ عنہ کے قول میں رسول اللہ ﷺ سے سننے کا احتمال برابر برقرار ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

ان تمام باتوں کے بعد بھی ۵۔انہوں (فریق مخالف امام شافعی رحمہ اللہ) نے قیاس صحیح پر عمل کیا، اور یہ وہ بات ہے جس کا اثر اپنی قوت کے ساتھ نمایاں ہے، (اس کے برعکس حدیث پر عمل کرنے والوں کا حال یہ ہے کہ وہ مرسل روایتوں پر عمل جائز قرار نہیں دیتے، چنانچہ انہوں نے حدیث و سنت کے بڑے ذخیرے پر عمل چھوڑ رکھا ہے، اور اسے نا قابل عمل قرار دے رکھا ہے۔ (یہی فرق ہے حنفیہ اور دیگر مذاہب میں) انہوں نے خیر القرون کے مجہول راوی کی روایت کو قبول نہیں کیا، اس طرح بعض سنتوں پر عمل معطل کیا۔ امام موصوف رحمہ اللہ نے جب صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی کی تقلید کو روا نہیں رکھا، تو انہوں نے سماع کے شبہ سے صرف نظر کی اور قیاس شبہ پر عمل کو جائز رکھا۔ حالانکہ یہ ان باتوں میں سے ہے کہ کسی حال میں وجوب کی نسبت اس کی طرف کرنا جائز نہیں، اس کا حال اس شخص کے حال کی طرح ہے جو قیاس پر عمل کو قطعاً جائز قرار نہیں دیتا، پھر امام موصوف ''استصحاب حال''[1] پر عمل کرتے ہیں۔

ا۔استصحاب حال یہ ارباب اصول کی اصطلاح ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حکم ثابت کرنے والا اس چیز کو باقی رکھنے والا نہیں ہے، اس لئے کہ ایک چیز کی ایجاد اور ہے اور اس چیز کو باقی رکھنا اور بات ہے، اس لئے ضروری نہیں کہ جس دلیل نے اس کو زمانہ ماضی میں وجود بخشا ہے وہ دلیل اس کو زمانہ حال میں باقی رکھنے والی ہو، اس لئے کہ بقا عرض ہے جو وجود کے بعد لاحق ہوتی ہے، عرض اس چیز کی عین اور ذات نہیں ہے، لہٰذا وجود سے بقا کی نفی کرنا درست ہے، چنانچہ یہ کہنا درست ہے کہ ایک چیز وجود پذیر ہوئی اور باقی نہیں رہی، لہٰذا اب بقا کے لئے ایک جداگانہ سبب درکار ہے =

موصوف کا استصحاب حال کو اختیار کرنا دلیل کے بغیر احتیاط پر عمل کرتا ہے، اور ترک عمل دلیل سے ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ہمارے اصحاب احکام شرع کے اصول وفروع میں پیشوا اور رہنما ہیں، اور ان کے فتوے سے لوگوں کے لئے شریعت کا راستہ کھلا ہے، تاہم یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ ایک گہرا سمندر ہے، ہر تیراک اس سمندر میں تیر نہیں پاتا اور نہ ہر طالب اس کی شرائط کو پورا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی بخشنے والا ہے۔

فخر الاسلام بزدوی رحمہ اللہ ''کنز الوصول'' میں تحریر فرماتے ہیں:

"واصحابنا: هم السابقون في هذا الباب (أى التفقه فى الحديث) ولهم الرتبة العليا و الدرجة القصوىٰ فى علم الشريعة، وهم الربانيون فى علم الكتاب والسنة و ملازمة القدوة، وهم أصحاب الحديث والمعاني، اماالمعاني فقد سلم لهم العلماء حتى سموهم "اصحاب الرأى" والرأى اسم للفقه الذى ذكرنا، وهم اولى بالحديث ايضاً، الا ترى أنهم جوّزوا نسخ الكتاب بالسنة، لقوة منزلة السنة عندهم، و عملوا بالمراسيل تمسكا بالسنة والحديث ورأوا العمل به مع الارسال أولى من الرأى ومن رد المراسيل فقد ردّ كثيراً من السنة، و عمل بالفروع بتعطيل الأصل۔ وقدموا رواية المجهول على القياس، و قول الصحابى على القياس، وقال محمد رحمہ اللہ في "كتاب أدب القاضى" لايستقيم الحديث إلابرأى، ولايستقيم الرأى إلا بالحديث حتى أن مَن لايحسن الحديث اوعلم الحدث، ولا يحسن الرأى فلايصلح للقضاء والفتوى وقد ملأ كتبه من الحديث، ومن استراح بظاهر الحديث عن بحث المعاني ونكل عن ترتيب الفروع على الاصول انتسب إلى ظاهر الحديث(۱)

= تو تنہا استصحاب کے حکم سے بقا کا حکم کرنا بغیر دلیل کے حکم لگانا ہے، اور یہ بات درست نہیں، اس کے لئے جداگانہ دلیل کی حاجت ہے اور وہ موجود نہیں۔ (کشاف اصطلاحات الفنون، لاہور، سہیل اکیڈمی ۱۹۹۳ء ا/۸۰۹)

۱- کنز الوصول الی معرفۃ الاصول: ص ۴-۵۔

ہمارے اصحاب وہ ہیں: جنہیں اس باب (فقہ حدیث) میں بلند رتبہ اور اعلیٰ مرتبہ حاصل ہے، اور وہی علمائے ربانی کتاب وسنت کے علم میں لائق اقتدا ہیں اور وہی ''اصحاب الحدیث'' ہیں جو حدیث کے معانی سمجھتے ہیں، حدیث کے معانی کا فہم و ادراک انہی علماء کا حق تسلیم کیا گیا ہے، چنانچہ ان کو 'اصحاب الرأی' کے نام سے یاد کیا گیا اور وہ رائے اس فقہ کا نام ہے جس کا تذکرہ ہم نے اوپر کیا ہے اور یہ معانی حدیث کے سمجھنے والے ہی ''اصحاب الحدیث'' کہلانے کے زیادہ لائق ہیں۔

کیا تمہیں نظر نہیں آتا کہ ان کے یہاں سنت کا مرتبہ اتنا قوی ہے کہ انہوں نے سنت سے کتاب اللہ کا نسخ جائز قرار دیا۔ اور انہوں نے سنت و حدیث سے استدلال کرتے ہوئے ''مراسیل'' پر عمل کیا اور مرسل حدیث پر عمل کرنا ''رائے'' سے بہتر سمجھا۔ اور جس نے ''مراسیل'' کو نظر انداز کیا، اس نے سنت کے بہت بڑے حصے کو چھوڑ دیا اور اصل کو چھوڑ کر فرع پر عمل کیا، اس نے حدیث کو جو اصل ہے چھوڑ کر قیاس پر عمل کیا، جو فرع کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے مجہول راوی کی روایت کو قیاس پر مقدم کیا۔ انہوں نے صحابی کے قول کو قیاس پر فوقیت دی۔ امام محمد رحمہ اللہ نے ''کتاب ادب القاضی'' میں تصریح کی ہے کہ:

"لایستقیم الحدیث الا بالرأی ولا یستقیم الرأی إلا بالحدیث"

حدیث کا مطلب و منشاء، رائے، وفقہی بصیرت کے بغیر صحیح طور پر سمجھا نہیں جاتا، اور رائے و قیاس، حدیث کے بغیر صحیح نہیں ہوتا حتیٰ کہ جو حدیث کو اچھی طرح سمجھ نہیں پاتا اور علم حدیث میں مہارت حاصل نہیں کر پاتا، اس کی رائے و قیاس درست نہیں، وہ قضا اور فتوے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اگرچہ اس نے اپنی کتابوں کو حدیث سے بھرا ہوا ہو، اور جو معانی حدیث میں بحث و نظر کئے بغیر ظاہر حدیث پر مطمئن ہو گیا اور اس نے فروع کو اصول کے تحت ترتیب دینے سے منہ موڑ، اسے ''ظاہری'' کہا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کسی ایسے عالم کو منصب افتاء و قضا کا اہل نہیں سمجھتے جو فقہ و حدیث میں بصیرت نہ رکھتا ہو، چنانچہ امام طحاوی المتوفی رحمہ اللہ ۳۲۱ھ

"مختصر الطحاوی" میں رقم طراز ہیں:

"اور ایسے عالم کو قاضی بنانا مناسب ہے جس کی ا۔ پاک دامنی، ۲۔ صلاح، ۳۔ فہم وفراست قابل اعتماد ہو، ۴۔ سنت وآثار کا علم رکھتا ہو، ۵۔ (جس کی) وجوہ فقہ کی معرفت قابل اعتماد ہو۔ ایسے صاحب رائے عالم کو قاضی نہ بنائیں جسے سنت واحادیث کا علم نہ ہو اور نہ ایسے حدیث داں کو جسے فقہ کا علم اور فقہ میں بصیرت نہ ہو، اور جو عالم مذکورۂ بالا صفات سے آراستہ ہو وہ فتویٰ نہ دے اور فتویٰ دے تو صرف ایسی بات کا جسے اس نے (تحقیق سے) سنا ہو۔"(۱)

ابرہیم نخعی رحمہ اللہ کی جس بات کی طرف امام محمد رحمہ اللہ نے "کتاب ادب القاضی" میں اشارہ وتنبیہ کی ہے کہ رائے کے بغیر حدیث کے معانی نہیں سمجھے جاسکتے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ نصوص شرعیہ معقولۃ المعانی ہیں، ان کا ادراک فہم سلیم اور عقل و دانش سے کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ کام وہی ارباب صدق وصفا سرانجام دے سکتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مزاج شریعت سے مناسبت اور فقہی بصیرت کی نعمت سے سرفراز کیا ہے۔

نصوص شرعیہ معقولۃ المعانی ہیں، مگر ان کا ادراک وفہم آسان نہیں، یہ ہر عالم کے بس کا کام نہیں، چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ المتوفی ۷۲۸ھ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے اپنی بساط کے مطابق شرعی دلائل پر غور وفکر کیا، تو میں نے قیاس صحیح کو حدیث صحیح کے مخالف نہیں پایا، جیسا کہ معقول صحیح، منقول صحیح کے مخالف نہیں ہوتا، بلکہ میں نے قیاس کو اکثر مخالف حدیث واثر پایا تو لازماً میں نے ان میں سے ایک کو ضعیف پایا لیکن قیاسِ صحیح اور قیاسِ فاسد میں بہت سے فاضل علماء امتیاز کرنے سے قاصر ہیں، اور علماء کا تو ذکر ہی کیا ہے، اس لئے کہ احکام میں علت موثرہ کا صحیح ادراک اور ان معانی کا فہم جن کا تعلق احکام سے ہے اشرف علوم سے ہے۔ ان میں سے کچھ تو بہت روشن ونمایاں ہوتے ہیں جن کو بیشتر اہل علم سمجھتے ہیں، اور بعض دقیق ہوتے ہیں جن کو خاص علماء سمجھتے ہیں، اس لئے بہت سے علماء کے قیاس نصوص کے مخالف ہوتے ہیں، اس لئے کہ قیاسِ صحیح کی حقیقت ان پر منکشف نہیں ہوتی، جس طرح بہت سے اہل علم پر نصوص میں جو دقیق دلائل

۱۔ مختصر الطحاوی: ص ۳۳۲۔

احکام پر دلالت کرتے ہیں، مخفی رہتے ہیں۔"(1)

اس سے ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ حدیث پر نظر اور صحیح حدیث کا ادراک وبصیرت ان کے تلامذہ کی نظر میں مسلم تھا۔

صحیح حدیث کی شناخت

اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ محض سلسلہ اسناد سے حدیث کی صحت معلوم نہیں ہوتی، امام حاکم نیشاپوری (المتوفی ۴۰۵ھ) رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"إن الصحيح لا يعرف بروايته فقط إنما يعرف بالفهم و الحفظ و كثرة السماع"(2)

صحیح حدیث محض اپنے سلسلہ سند سے نہیں پہچانی جاتی، اس کی صحت تین باتوں سے معلوم ہوتی ہے۔

۱۔ فہم و فراست، ۲۔ حفظ، ۳۔ کثرت سماع۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مذکورہ بالا تینوں صفات سے بدرجہ اتم بہرہ ور ہیں، اس امر کا صحیح اندازہ امام موصوف رحمہ اللہ کی تحصیل وطلب علم سے کیا جاسکتا ہے جو مختصراً ہدیہ ناظرین ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تحصیل حدیث کا زمانہ

علامہ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ المتوفی ۷۴۸ھ نے تصریح کی ہے کہ موصوف نے حدیث کی تحصیل ۱۰۰ھ اور اس کے بعد کے سالوں میں کی ہے وہ لکھتے ہیں:

"انّ الإمام أبا حنيفة طلب الحديث و أكثر منه في سنة مئة و بعدها"(3)

بلاشبہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ۱۰۰ھ اور اس کے بعد کے سالوں میں حدیث کی تحصیل کی اور بہت زیادہ کی ہے۔

۱۔ اعلام الموقعین: ۲/ ۴۷۔ ۲۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص ۵۹ (النوع عشر من علوم الحدیث)۔

۳۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۶، ص ۳۹۶۔

مؤرخ ذہبیؒ کے مذکورۂ بالا بیان سے امام اعظم رحمہ اللہ کی ا۔ طلب حدیث، ۲۔ حدیث کی کثرتِ طلب، اور ۳۔ طلب حدیث کے زمانے کی تعیین سے ایک محقق کے لئے بہت سے نئے علمی گوشے کھل جاتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ائمۂ فن سے حدیث وآثار کا سماع

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حدیث وآثار کا سماع ائمۂ فن سے کیا ہے اور اس کے لئے سفر کئے، چنانچہ مورخ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"عنی بطلب الآثار وارتحل فی ذلک "[1]

موصوف نے حدیث وآثار کی طلب وجستجو میں توجہ کی اور اس کے لئے سفر کئے۔

ائمۂ حدیث سے روایت...... وسیلۂ تقرب

ائمہ حدیث کی سندیں عالی ہوتی ہیں، ان سے روایت کرنا رسول اللہ ﷺ سے تقرب حاصل کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ سے تقرب اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے، حاکم نیشاپوری، امام اعمش رحمہ اللہ کی سند سے حسب ذیل حدیث نقل کرتے ہیں:

"حدثنا ابو العباس محمد بن یعقوب حدثنا الحسن بن علی بن عفّان العامری ثنا عبداللّٰہ بن نمیر عن الأعمش عن عبداللّٰہ بن مرّہ عن مسروق عن عبداللّٰہ بن عمرو قال قال رسول اللّٰہ ﷺ:" اربع من کن فیہ کان منافقاً خالصاً ومن کانت فیہ خصلۃ منھن کان فیہ خصلۃ من النفاق حتٰی یدعھا، اذاحدث کذب، واذاعاھدغدر، واذا وعد، اخلف و اذاخاصم فجر"[2]

ابوالعباس محمد بن یعقوب رحمہ اللہ نے بیان کیا، (ان سے) حسن بن علی بن عفان عامری رحمہ اللہ نے بیان کیا، (ان سے) عبداللہ بن نمیر رحمہ اللہ نے بیان کیا، (ان سے) اعمش رحمہ اللہ نے اور اعمش رحمہ اللہ سے عبداللہ بن مرہ رحمہ اللہ سے، (اس نے) مسروق رحمہ اللہ سے اس نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ رسالتمآب ﷺ نے فرمایا: کہ چار عادتیں

۱۔ ایضاً: ص ۳۹۲۔ ۲۔ معرفۃ علوم الحدیث: ص ۱۱۔

جس میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے، اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت پائی جائے اس میں نفاق کی ایک عادت پائی گئی، یہاں تک کہ وہ اس کو چھوڑ دے، جب کوئی بات بیان کرے جھوٹ بولے، اور جب کوئی معاہدہ کرے اس کا پاس نہ رکھے، جب وعدہ کرے اس کے خلاف کرے، جب جھگڑا کرے تو گالی بکے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اعمش رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حسب ذیل اصول بیان کئے ہیں۔

"فانّ الغرض فیہ القرب من سلیمان بن مھران الاعمش فان الحدیث لہ وھو امام من ائمۃ الحدیث و کذلک کل اسناد یقرب من الامام المذکور فیہ، فانہ اذا صححہ الروایۃ الی ذالک الامام بالعدد الیسیر فانہ عال۔" (۱)

مذکورۂ بالا حدیث میں مقصد سلیمان بن مہران اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے قرب ظاہر کرنا ہے بلاشبہ یہ ان کی سند سے مروی ہے اور وہ ائمہ حدیث میں سے ایک امام فن ہے، اور اسی طرح ہر وہ سند جس میں امام موصوف سے قرب میسر ہو، پس اگر اس روایت کی صحت اس امام کی طرف معدودے چند راویوں سے ہو تو وہ سند عالی ہے۔

اس اصول کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام فن بھی ہیں، اور مقبول امام مجتہد ہیں، ان کی سندیں عالی بھی ہیں، اور تقرب الٰہی کا ذریعہ بھی ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ائمہ حدیث سے راست روایتیں

علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۳۴ھ کا بیان ہے کہ: میں نے (صحیح حدیثوں کی) سندیں دیکھیں تو وہ چھ ائمہ حدیث ہیں۔ (۲)

۱۔ اہل مدینہ میں محمد بن مسلم بن شہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ (۵۸۔۱۲۴ھ/ ۶۷۸۔۷۴۲ء)

۲۔ اہل مکہ میں عمرو بن دینار المکی رحمۃ اللہ علیہ، (۴۶۔۱۲۶/ ۶۶۶۔۷۴۳ء)

۳۔ اہل بصرہ میں قتادہ بن دعامہ البصری، (۶۱۔۱۱۸/ ۶۸۰۔۷۳۶ء)

۴۔ اہل یمن میں یحییٰ بن ابی کثیر الیمانی رحمۃ اللہ علیہ (۰۰۔۱۲۹/ ۰۰۰۔۷۴۷ء)

۱۔ ایضاً۔ ۲۔ مقدمۃ الجرح، والتعدیل: ۱/ ۵۹۔۶۰، المحدث الفاصل رص ۶۱۴، تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۱۱۱ و ۳۲۶۔

۵۔ اہل کوفہ میں ابو اسحاق السبیعی الہمدانی الکوفی رحمہ اللہ (۳۳۔۱۲۷/۶۵۳۔۴۵ء،
۶۔ سلیمان بن مہران اعمش کوفی رحمہ اللہ (۶۱۔۱۴۸/۶۸۱۔۶۵ء)
ان مذکورہ بالا ائمہ حدیث کی اسانید سے بکثرت روایتیں صحاح ستہ میں منقول ہیں۔

امام ابو حنیفہ، یحییٰ بن ابی کثیر الیمانی رحمہما اللہ کے علاوہ تمام مذکورہ بالا ائمہ فن سے راست روایت کرتے ہیں، چنانچہ مورخ اسلام شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ نے "سیر اعلام النبلاء" میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے تذکرے [1] میں عمرو بن دینار، قتادہ، ابو اسحاق السبیعی، محمد بن مسلم بن شہاب زہری رحمہم اللہ کے ناموں کی تصریح کی ہے اور حضرت اعمش کوفی رحمہ اللہ کے تذکرے [2] میں موصوف سے روایت کا ذکر کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ طبقۂ رابعہ کے نامور حفاظ حدیث میں

علامہ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ جن کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:
ذہبی رحمہ اللہ فن رجال میں کامل دست گاہ اور مہارت رکھتے ہیں۔ [3] موصوف نے "کتاب المعین فی طبقات المحدثین" کے طبقۂ چہارم کے نامور محدثین میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا تذکرہ کیا ہے، جن کی علمی و تدریسی خدمات کا چرچا مشرق و مغرب ہر طرف پھیلا ہوا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ فن نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا شمار ان نامور حفاظ حدیث میں کیا ہے جن کی علمی و تدریسی خدمات کا اسلامی قلمرو کے مشرق و مغرب میں چرچا رہا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا کتاب کے مقدمے میں رقم طراز ہیں کہ:

یہ مقدمہ احادیث و آثار نبویہ بیان کرنے والے نامور محدثین کرام کے ناموں کے بیان میں ہے، تاکہ دانشمند طلبہ کو بصیرت حاصل ہو اور صاحب افادہ محدث کو وہ باتیں یاد دلاتا ہے جن سے جاہل رہنا طلبہ کے لئے معیوب ہوتا ہے۔ یہ بڑے محدثین کے کامل ترین تذکرہ کی کتاب نہیں ہے، بلکہ ان محدثین کی نشاندہی کا مرقعہ ہے جن کا ذکر اطراف عالم میں ہر زمانہ میں ہر جگہ پھیلا ہوا ہے۔ [4]

۱۔ سیر اعلام النبلاء: ۶/۳۹۶۔ ۲۔ ایضاً: ص ۲۲۷۔ ۳۔ شرح نخبۃ الفکر: ص ۱۱۲۔ ۴۔ کتاب المعین: ۱۷

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب المعین" کی ترتیب یہ رکھی ہے، پہلا طبقہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے، پھر اکابر تابعین کا ہے، پھر ائمہ تابعین حسن بصری، مجاہد رحمہما اللہ، پھر تابعین کا تیسرا طبقہ زہری وقتادہ رحمہما اللہ کا ہے، چوتھا طبقہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قائم کیا ہے۔

اس سے مورخ اسلام علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں مشاہیر محدثین میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا وہی مقام ہے جو شیخ الاسلام حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فقہائے امصار سے استفادہ

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ائمہ اربعہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فخر حاصل ہے، کہ انہوں نے اس زمانے کی اسلامی دنیا اور اس کے علمی مرکز کے بہت سے فقیہانِ امصار سے استفادہ کیا، لیکن یہاں پر چند فقہائے امصار کے تذکرے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ا۔ مفتی مکہ عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ (۲۷۔۱۱۴ھ/ ۶۴۷۔۷۳۲ء)

یہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نامور شاگرد اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے استاد ہیں۔(۱) ان کے متعلق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

عہد تابعین میں حضرت عطا اور حسن بصری رحمہما اللہ سے زیادہ فتوے دینے والا کوئی نہ تھا، اور مزید یہ کہ حرم مکہ کے مفتی حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ تھے، اور بصرہ میں مفتی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔(۲)

۲۔ مکحول شامی رحمۃ اللہ علیہ (۰۰۰۔۱۱۲ھ/ ۰۰۰۔۷۳۰ء)

مکحول رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

"طفت الارض کلها فی طلب العلم۔"

میں نے علم کی طلب وجستجو میں اسلامی قلمرو کے اکثر شہروں کا سفر کیا۔

۱۔ سیر اعلام النبلاء: ۶/ ۳۹۱۔ ۲۔ مقدمہ ابن الصلاح: ص ۵۱۷

امام زہری رحمہ اللہ کا قول ہے:

"العلماء اربعة سعيد بن المسيب بالمدينة والشعبي بالكوفة والحسن بالبصرة ومكحول في الشام۔" (1)

علما چار ہیں، مدینہ میں سعید بن المسیب، کوفہ میں شعبی، بصرہ میں حسن اور شام میں مکحول رحمہم اللہ۔

سعید بن عبدالعزیز رحمہ اللہ المتوفی ۱۶۷ھ فرماتے تھے:

"مكحول أفقه أهل الشام۔" (۲)

مکحول اہل شام میں سب سے بڑھ کر فقیہ تھے۔

۳۔ یزید بن ابی حبیب مصری رحمہ اللہ (۵۳۔۱۲۵ھ/۶۷۲۔۷۴۵ء)

مورخ مصر ابوسعید بن یونس رحمہ اللہ کا بیان ہے:

"كان مفتي اهل مصر في ايامه وكان من اظهر العلم بمصر، و الكلام في الحلال والحرام مسائل، وقيل انهم كانوا قبل ذلك يتحدثون بالفتن و الملاحم والترغيب في الخير۔" (۳)

موصوف اپنے زمانے میں مصریوں کے مفتی تھے اور یہ پہلے عالم ہیں، جنہوں نے سرزمین مصر میں حدیث کو پھیلایا، اور حلال و حرام میں بحث کی، مسائل بیان کئے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اہل مصر کا اس سے پہلے موضوع سخن فتن، جنگ و جہاد کی داستانیں اور خیر کے کاموں میں شوق و رغبت تھا۔

۴۔ عامر بن شراحیل الشعبی رحمہ اللہ (۱۹۔۱۰۳ھ/۶۴۰۔۷۲۱ء)

یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بڑے شیوخ میں سے ہیں۔ (۴) شعبی رحمہ اللہ کا بیان ہے:

۱۔ سیر اعلام النبلاء: ۵/۱۵۸۔ ۲۔ ایضاً۔ ۳۔ ایضاً: ۶/۳۲۔

۴۔ تذکرۃ الحفاظ: ۱/۷۹۔

"ادرکت خمس مئة من اصحاب النبی ﷺ"۔ (1)

میں نے پانچ سو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا اور ان سے ملاقات کی ہے۔

مکحول رحمہ اللہ کا قول ہے:

"ما رأیت أحدا اعلم من الشعبی۔" (۲)

میں نے شعبی سے بڑھ کر عالم نہیں دیکھا۔

ابو مجلز رحمہ اللہ کا قول ہے:

"ما رأیت افقہ من الشعبی و لا سعید بن المسیب و لا طاؤس و لا عطاء و لا الحسن و لا ابن سیرین فقد رأیت کلهم۔" (۳)

میں نے شعبی سے بڑھ کر فقیہ نہیں دیکھا۔ نہ سعید بن مسیّب اور نہ طاؤس اور نہ حسن اور نہ ابن سیرین کوئی رحمہم اللہ ان کا ہمسر نہ تھا میں نے ان سب کو دیکھا ہے۔

لوگوں میں تین علماء تھے، ۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے زمانے میں، ۲۔ شعبی رحمہ اللہ اپنے زمانے میں، ۳۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ اپنے زمانے میں۔ (۴)

ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کا قول ہے:

"شعبی رحمہ اللہ کے پاس آثار کا علم تھا اور ابراہیم رحمہ اللہ کے پاس قیاس تھا۔" (۵)

ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول ہے:

"قدمت الکوفة و للشعبی حلقة عظمة و الصحابة کثیر۔" (۶)

میں کوفے گیا تو شعبی رحمہ اللہ کا حلقہ (درس) بہت بڑا تھا۔ اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر تعداد بیٹھی ہوئی تھی،

۵۔ ابو عبد الرحمٰن طاؤس بن کیسان رحمہ اللہ (۳۳۔۱۰۶ھ/۶۵۳۔۷۲۴ء)

موصوف نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے حدیثیں سنی تھیں، مورخ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"سمع من زید بن ثابت، و عائشةؓ، و ابی ھریرةؓ، و زید بن ارقمؓ،

۱۔ سیر اعلام النبلاء: ۴/۲۹۸۔ ۲۔ ایضاً۔ ۳۔ ایضاً: ۴/۲۹۹۔ ۴۔ ایضاً: ۴/۳۰۰۔

۵۔ تذکرۃ الحفاظ: ۱/۸۲۔ ۶۔ سیر اعلام النبلاء: ۴/۳۰۲۔

وابن عباسؓ لازم ابن عباسؓ مدة وهو معدود فی کبراء اصحابه رضی الله عنهم۔''(۱)

موصوف نے زید بن ثابت، عائشہ اور ابوہریرہ اور زید بن ارقم اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے حدیثوں کا سماع کیا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی صحبت میں ایک مدت تک رہے ہیں، موصوف کا شمار ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کبار تلامذہ میں کیا جاتا ہے۔

حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا بیان ہے کہ:

میں نے پچاس صحابہ کرامؓ سے ملاقات کی ہے۔(۲)

حبیب بن ابی ثابت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ:

''میرے پاس پانچ ایسی شخصیات یکجا ہوئی ہیں کہ ان جیسی شخصیات کسی کے پاس جمع نہیں تھیں ا۔عطاء، ۲۔طاؤس، ۳۔مجاہد، ۴۔سعید بن جبیر، ۵۔عکرمہ رحمہم اللہ۔''(۳)

مذکورہ بالا پانچ میں سے حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت طاؤس رحمہما اللہ سے راست استفادے کا فخر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل تھا۔ مورخ ذہبیؒ کا بیان ہے:

''طاؤس کان شیخ اهل الیمن و برکتهم و مفتیهم له جلالة عظیمة''(۴)

موصوف اہل یمن کے شیخ ہیں۔ ان کا وجود ان کے لئے باعث برکت ہے۔ اور یہ ان کے مفتی تھے، ان کی علمی شان وعظمت (اہل یمن کے یہاں) بڑی تھی۔

ان (فقہائے امصار) کی احادیث وفقہی آرا بعض کتاب الآثار میں اور بعض مسانید میں منقول ہیں۔

اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا علم کوفہ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں تھا۔ بلکہ امام صاحب کی شخصیت بلاد اسلامی کے علمی مرکزوں کے نامور حفاظ اور مشہور فقہائے امصار کے علوم کی جامع تھی۔

اس زمانے میں دینی قیادت وسیادت انہی فقہا ومحدثین کو حاصل تھی جو بڑھ چڑھ کر دین کی خدمت میں مشغول رہتے تھے، مجتہدین ائمہ اربعہ میں یہ سعادت وقبولیت

۱۔ایضاً، ۵/ ۳۹۔ ۲۔ایضاً، ۵/ ۴۳۔ ۳۔ایضاً۔ ۴۔تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۹۰۔

بلاشبہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہے، ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء

یاد رکھئے حرمین، مکہ و مدینہ، عراقین، کوفہ و بصرہ، مصر و شام اور یمن یہی مرکزی شہر تھے، جہاں پہلی اور دوسری صدی ہجری میں فقہ و حدیث کا بازار گرم تھا، اور معمول بہا سنت کا ذخیرہ جن سے احکام کا استخراج واستنباط کیا جاسکتا تھا، انہی فقہاء و محدثین کے پاس موجود و محفوظ تھا۔ اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ دوسری صدی کے آخر میں جن ائمہ تابعین کے پاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا علم محفوظ تھا اس کا جامع فقہ حنفی ہے۔

مجتہدین ومکثرین صحابہ رضی اللہ عنہم کے علوم وروایات کا جامع امام

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو کثرت سے روایت کرنے والے حفاظ حدیث اور مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کا علم ان کے نامور تلامذہ سے حاصل کرنے کی سعادت حاصل ہے، چنانچہ مورخ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۳ھ) نے اپنی سند سے ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہ بیان نقل کیا ہے کہ: ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، ابوجعفر منصور عباسی رحمۃ اللہ علیہ (۹۵۔۱۵۸ھ/۷۱۴۔۷۷۵ء) کے پاس آئے، وہاں اس کا وزیر عیسیٰ بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ بیٹھا تھا، اس نے خلیفہ سے کہا کہ: امام موصوف اس وقت دنیا کے سب سے بڑے عالم ہیں، منصور رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: تم نے کن سے علم حاصل کیا؟ فرمایا میں نے عمرؓ کے شاگردوں کے واسطے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے، حضرت علیؓ کے شاگردوں کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے زمانے میں روئے زمین پر ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا، یہ سن کر اس نے کہا تم (ابوحنیفہؒ) نے خود کو خوب پختہ عالم بنایا۔[1]

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا بیان سے علوم میں وسعت وتنوع اور جامعیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ ائمہ اربعہ میں مجتہدین صحابہؓ اور کثرت سے حدیثیں روایت کرنے والے صحابہؓ کے علوم کے جامع تھے، اور ان کے پاس احادیث وآثار کا سرمایہ

۱۔ تاریخ بغداد: ۱۳؍۳۴۴۔

دوسرے ائمہ کی نسبت زیادہ وسیع تھا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بعض اسانید زمرۂ اصح الاسانید میں

۱۔ ابوحنیفہ عن عطاء بن ابی رباح عن ابن عباسؓ۔

۲۔ ابوحنیفہ عن نافع عن ابن عمرؓ کو زمرۂ اصح الاسانید میں شمار کیا گیا ہے۔ جس طرح مالک عن نافع عن ابن عمر

صحیح ترین سند ہے، یہی حکم ابوحنیفہ عن ابن عمر کا ہونا چاہئے۔ (۱)

۳۔ اہل عراق کی عظیم ترین اور صحیح ترین سند سفیان عن منصور عن ابراہیم عن علقمہ عن عبداللہ ہے۔ (۲)

یہی حکم ابوحنیفہ عن منصور عن ابراہیم عن علقمہ عن عبداللہ کا ہونا چاہئے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی عالی صفت سے آراستگی

ائمہ اربعہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں اسانید میں دوسرے ائمہ کی بہ نسبت واسطے کم پائے جاتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ موصوف تابعی ہیں، ان کی حدیثیں ثنائی یعنی بعض بہ دو واسطہ اور بعض وحدان بہ یک واسطہ مروی ہیں۔ دیگر ائمہ جیسے امام مالک رحمہ اللہ کہ وہ تبع تابعی ہیں، ان کے یہاں سند میں واسطے بڑھ جاتے ہیں، اور امام اوزاعی رحمہ اللہ بھی تبع تابعی ہیں، ان کے یہاں بھی واسطے زیادہ پائے جاتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں وحدان پائی جاتی ہیں، ان کے معاصرین امام مالک اور امام اوزاعی رحمہما اللہ کے یہاں وحدان (بہ یک واسطہ روایت) نہیں پائی جاتی۔

ائمہ فن کا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے احکام ونظریات سے اعتناء

اصول حدیث کی کتابوں میں ائمہ فن قدماء ومتاخرین کا اپنی تصانیف میں امام

۱۔ مکانۃ الامام ابی حنیفۃ فی الحدیث: ص ۸۲، ۸۳۔

۲۔ سیر اعلام النبلاء: ۲۳۶/۷، معرفۃ علوم الحدیث، ص ۵۵۔

اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نظریات وآثار سے اعتناد بحث کرنا اس امر کا نہایت بیّن ثبوت ہے کہ، اصول حدیث کی کتابوں میں موصوف کے نظریات کو نہایت بلند مقام حاصل ہے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا شمار بلند پایہ حفاظ حدیث میں کیا جاتا ہے۔"تذکرۃ الحفاظ" کے موضوع پر کم وبیش ہر کتاب میں موصوف کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اس باب میں ان کی ثقاہت بھی مسلم ہے، چنانچہ حافظ احمد بن عبداللہ العجلی رحمہ اللہ (۱۸۲۔۲۶۱) نے"تاریخ الثقات "میں موصوف کا تذکرہ کیا ہے۔[1] جو ان کی ثقاہت کی دلیل ہے۔

دوسری صدی ہجری میں سنن وآثار اور احکام کے ائمہ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ

دوسری صدی ہجری میں سنن وآثار اور احکام کا علم تین ائمہ فن میں دائر وسائر سمجھا جاتا تھا۔چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے تھے:

"العلم یدور علی ثلاثة : مالک، واللیث، و ابن عیینة۔"

سنن و آثار اور احکام کا تین ائمہ فن امام مالک (۹۳۔۱۷۹ھ/ ۷۱۲۔۷۹۵ء) لیث (۹۴۔۱۷۵ھ/ ۷۱۳۔۷۹۱ء) اور ابن عیینہ رحمہم اللہ (۱۰۷۔۱۹۸ھ/ ۷۲۵۔۸۱۴ء) میں دائر وسائر ہے۔[2]

امام شافعی رحمہ اللہ کے مذکورۂ بالا مقولے پر مورخ اسلام علامہ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: دوسری صدی ہجری میں علم سنن وآثار کو ان تین ائمہ حدیث میں محدود ومنحصر کرنا صحیح نہیں، ان کے ساتھ سات ائمہ فن اور بھی ہیں۔اور وہ یہ ہیں: ۱۔اوزاعی (۸۸۔۱۵۷ھ/ ۷۰۷۔۷۷۴ء)، ۲۔سفیان ثوری (۹۷۔۱۶۱ھ/ ۷۱۶۔۷۷۸ء)، ۳۔معمر (۹۵۔۱۵۳ھ/ ۷۱۳۔۷۷۰ء)، ۴۔ابوحنیفہ (۸۰۔۱۵۰ھ/ ۶۹۲۔۷۶۷ء)، ۵۔شعبہ (۸۲۔۱۶۰ھ/ ۷۰۰۔۷۷۶ء)، ۶۔حماد بن مسلم (۰۰۔۱۶۷ھ/ ۰۰۔۷۸۴ء)، ۷۔حماد بن زید رحمہم اللہ (۹۸۔۱۷۹ھ/ ۷۱۷۔۷۹۵ء)۔[3]

۱۔تاریخ الثقات: ص ۴۵۰۔ ۲۔سیر اعلام النبلاء: ۸/۹۴، (ترجمہ امام مالک)۔ ۳۔ایضاً۔

حافظ شمس الدین الذہبی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے یہ حقیقت عیاں (ہویدا) ہو جاتی ہے کہ: سنن وآثار کے علوم میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وہی مرتبہ و مقام ہے، جو امام مالک، ابن عیینہ، شعبہ، حماد بن مسلم، معمر، سفیان ثوری لیث اور حماد بن زید رحمہم اللہ کا ہے، ان میں سے اکثر کی روایات بکثرت صحاح ستہ میں موجود ہیں، جیسا کہ ان کے رموز اور علامات سے ظاہر ہے۔

ائمۂ جرح وتعدیل کے یہاں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقام

اس امر کی صداقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ متشدد ائمہ جرح وتعدیل کے طبقہ اولی، ثانیہ، ثالثہ اور رابعہ میں کسی امام سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جرح نقل نہیں، بلکہ ان سے امام اعظم کی توثیق منقول ہے۔

طبقۂ اولی

طبقۂ اولی میں امیر المومنین فی الحدیث شعبہ (۸۰۔۱۶۰ھ/۷۰۱۔۷۷۶ء) اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۔۱۶۱ھ/۷۴۲۔۸۱۲ء) کا شمار ہے اور شعبہ کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

"لولا شعبة لما عرف الحديث بالعراق۔" (۱)

شعبہ اگر نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا جاننے والا کوئی نہ ہوتا۔

لیکن جرح کرنے میں شعبہ رحمۃ اللہ علیہ، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ سخت اور تیز ہیں اور شعبہ رحمۃ اللہ علیہ اولاً خود کوفی المذہب اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار ہیں۔ (۲)

ثانیاً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ابوالولید طیالسی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۳۔۲۲۷ھ) کا بیان ہے:

"كان شعبة حسن الذكر لأبي حنيفة كثير الدعاء له ما سمعته قط يذكر بين يديه ألا دعاله۔" (۳)

۱۔ تذکرۃ الحفاظ: ۱/۱۹۳، ص ۱۰۷۔ ۲۔ میزان الاعتدال: ۱/۵۹۳، (ر ۲۲۵۱)۔ ۳۔ الانتقاء، ص ۱۲۷۔

شعبہ، ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو اچھے الفاظ سے یاد کرتے اور ان کے حق میں بہت دعا کرتے تھے، میں نے انہیں نہیں سنا کہ ان کے سامنے جب کبھی ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ذکر کیا گیا ہو، مگر انہوں نے موصوف کے لئے دعا کی۔

اور یحییٰ بن معین رحمہ اللہ المتوفی ۲۳۳ھ کا بیان ہے:

"هذا شعبة بن الحجاج يكتب إليه أن يحدث ويأمره و شعبة شعبة"(۱)

شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو لکھتے تھے کہ، حدیث بیان کریں، اور انہیں اس کے بیان کرنے کا حکم دیتے تھے، اور شعبہ تو شعبہ ہیں۔

امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ رحمہ اللہ کسی سے کہیں اور اسے حکم دیں، خیال فرمائیں وہ کس درجہ کا محدث وحافظ حدیث ہوگا۔!

طبقہ ثانیہ

طبقہ ثانیہ میں سید الحفاظ یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ (۱۲۰۔ ۱۹۸ھ/ ۷۳۷۔۸۱۳ء) اور عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ (۱۳۵۔۱۹۸ھ/ ۷۵۲۔۸۱۴ء) داخل ہیں۔ یحییٰ القطان رحمہ اللہ کے متعلق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے:

"ما رأيت بعيني مثل يحيىٰ بن سعيد القطان۔"(۲)

میری آنکھوں نے یحییٰ بن القطان رحمہ اللہ کا نظیر نہیں دیکھا۔

اور حافظ عصر امام حدیث وعلل علی بن المدینی رحمہ اللہ (۱۶۱۔۲۳۴ھ) کا بیان ہے:

"ما رأيت أحد أعلم بالرجال منه۔"(۳)

میں نے یحییٰ رحمہ اللہ سے بڑھ کر رجال کا عالم نہیں دیکھا۔

یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ جرح کرنے میں ابن مہدی رحمہ اللہ سے زیادہ سخت ہیں، ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے "الانتقاء" میں یحییٰ رحمہ اللہ کا یہ قول بصراحت نقل کیا ہے:

۱۔ الانتقاء: ص۱۲۶، اخبار ابی حنیفہ واصحابہ للصیمری: ص۸۰۔ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ: ۱/۲۹۸، (ر۲۸۰)

۳۔ ایضاً۔

"لانکذب اللہ عز و جل، کم من شئی حسن قالہ أبو حنیفة، و ربما استحسنّا الشئ من رأی ابی حنیفة و أخذنا" (1)

ہم جھوٹ نہیں بولتے، واللہ بہت سی اچھی باتیں ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہی ہیں اور ہم نے ان کی بہت سی باتوں کو اچھا سمجھا اور ان پر عمل کیا۔

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کا بیان ہے:

"کان یحییٰ بن سعید یذھب فی الفتویٰ مذھب الکوفیین" (2)

یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ کوفیوں کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔

یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی حدیث دانی کے متعلق فرماتے ہیں:

"واللہ لأعلم ھذہ الامة بما جاء عن اللہ و رسولہ۔" (3)

اللہ کی قسم ابوحنیفہؒ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جو کچھ وارد ہوا ہے اس کے سب سے بڑے عالم تھے۔

طبقۂ ثالثہ:

طبقۂ ثالثہ میں سید الحفاظ یحییٰ بن معین (۱۰۸۔۲۳۳ھ/ ۷۷۵۔۸۴۸ء) اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ (۱۶۴۔۲۴۱ھ/ ۷۸۱۔۸۰۰ء) ہیں۔

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی بہ نسبت جرح کرنے میں زیادہ تیز ہیں۔ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے متعلق علی بن مدینی رحمہ اللہ کا بیان ہے۔

"انتھیٰ علم الناس إلی یحییٰ بن معین۔" (4)

علماء کا علم یحییٰ بن معین رحمہ اللہ پر ختم ہے۔

اور اس امر کا اعتراف امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو بھی ہے، وہ فرماتے ہیں:!

۱۔ تاریخ بغداد: ۱۳/ ۳۳۵۔۳۳۶، الانتقاء، ص ۲۰۲، تہذیب الکمال للمزی: ۱۹/ ۱۱۱۔

۲۔ تاریخ بغداد: ۱۳/ ۳۴۵، الانتقاء: ص ۱۳۲، تہذیب الکمال: ۲۰/ ۱۴۷۔

۳۔ مقدمہ کتاب التعلیم: ۱۳۴۔ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۴۳۰۔

"یحییٰ بن معین اعلمنا بالرجال۔"(۱)

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ ہم میں رجال کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو "صدوق" بہت سچا قرار دیا ہے۔ چنانچہ حافظ مغرب علامہ ابن عبدالبر القرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اے ابوزکریا! (یہ یحییٰ کی کنیت ہے) ابوحنیفہ رحمہ اللہ روایت حدیث میں صدوق ہیں؟ جواب دیا: جی ہاں وہ صدوق (ہمیشہ سچ بولنے والے) تھے۔(۲)

یحییٰ رحمہ اللہ کا قول ہے:

"ثقة ماسمعت احداً ضعفه۔"(۳)

ابوحنیفہ ثقہ ہیں میں نے کسی کو انہیں ضعیف کہتے نہیں سنا۔

اور صالح بن محمد الاسدی الحافظ رحمہ اللہ کا بیان ہے:

"سمعت یحییٰ بن معین یقول کان ابوحنیفة ثقة فی الحدیث"(۴)

میں نے یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث میں ثقہ اور معتبر تھے۔

محمد بن سعد العوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"سمعت یحییٰ بن معین یقول: کان ابوحنیفة ثقة، لا یحدث بالحدیث إلا بما یحفظه ولا یحدث بمالم یحفظ"۔(۵)

میں نے یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے سنا: ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث میں قابل اعتبار اور ثقہ ہیں، صرف وہی حدیثیں بیان کرتے ہیں جو انہیں یاد ہوتی ہے، اور جو حدیثیں یاد نہ ہو وہ بیان نہیں کرتے۔

۱- ایضاً۔ ۲- جامع بیان العلم:۲/۱۴۹۔ ۳- الانتقاء: ص ۱۲۷۔

۴- تہذیب الکمال:۹/۱۰۵/۱۰۔ ۵- ایضاً۔

طبقہ رابعہ

طبقہ رابعہ میں امام حافظ کبیر ابوحاتم محمد بن ادریس حنظلی رازی رحمہ اللہ (۱۹۵۔۲۷۷ھ/ ۸۱۱۔۸۹۱ء) اور محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔۸۷۰ء) کا شمار ہوتا ہے، اور ابوحاتم رازی رحمہ اللہ جرح کرنے میں امام بخاری رحمہ اللہ کے مقابلے میں زیادہ سخت واقع ہوئے ہیں، اسی طرح علی ابن المدینی رحمہ اللہ کو بھی متشدد سمجھا جاتا ہے۔ اور وکیع رحمہ اللہ کو بھی متشدد خیال کیا جاتا ہے۔ ان سے کوئی جرح منقول نہیں موصوف کے متعلق، سید الحفاظ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ما رایت احدا اقدمه علی وکیع کان یفتی برای ابی حنیفة وکان یحفظ حدیثه کله وکان قدسمع من ابی حنیفة حدیثاً کثیرا"(۱)

میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ میں اسے وکیع رحمہ اللہ پر ترجیح دوں، وہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے، اور وہ اپنی تمام حدیثوں کے حافظ تھے اور انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بہت زیادہ حدیثیں سنی تھیں۔

ائمہ فن حدیث امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں یہ فن حدیث میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مہارت وثقاہت کی روشن دلیل ہے۔

چنانچہ علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے سفیان ثوری (۹۷۔۱۶۱ھ/ ۷۱۶۔۷۷۸ء) عبداللہ بن مبارک (۱۱۱۔۱۸۱ھ/ ۷۳۶۔۷۹۷ء) وکیع بن الجراح (۱۲۹۔۱۹۷ھ/ ۷۴۶۔۸۱۲ء) عباد بن العوام (۸۸۔۱۸۵ھ/ ۷۳۶۔۸۰۱ء) اور جعفر بن عون رحمہم اللہ (۱۱۰۔۲۰۷ھ/ ۷۲۸۔۸۲۲ء) نے روایت کی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ثقہ ہیں ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (۲)

مذکورہ بالا ائمہ فن حدیث میں مجتہد مطلق امام سفیان ثوری رحمہ اللہ بھی ہیں، جن کا مذہب جامع الترمذی میں ذکر کیا جاتا ہے، اسی طرح فقہاء میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے استاد

۱۔ جامع بیان العلم: ۲/ ۱۴۹۔ ۲۔ ایضاً۔

امام عراق حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۲۰ھ بھی ہیں۔ جنہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے۔ (۱)

طبقہ اولیٰ، ثانیہ، ثالثہ میں حنفی ائمہ فن جرح وتعدیل

شعبہ، امام یحییٰ بن سعید القطان اور یحییٰ بن معین رحمہم اللہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق منقول ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوسری صدی ہجری میں ائمہ فن حدیث و ائمہ جرح وتعدیل ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتے تھے۔ اس سے بڑھ کر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ثقاہت کی اور کونسی روشن دلیل پیش کی جاسکتی ہے۔ یہ وہ ائمہ فن ہیں جن کی اجتہادی آراء و اقوال سے فن رجال کی کتابیں بھری ہوئی ہیں اور راویان حدیث وآثار کی ثقاہت کے فیصلے کیے جاتے ہیں اور انہی کے اقوال وآثار کی تقلید کی جاتی ہے۔

فنِ جرح وتعدیل میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ

فن جرح وتعدیل میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو جو بلند مقام حاصل ہے اس کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ ائمہ فن ان کے اقوال کو کتابوں میں اپنی سند سے نقل کرتے اور بطور سند پیش کرتے ہیں۔

چنانچہ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۷۹ھ "کتاب العلل" میں فرماتے ہیں:

"ابو حنيفة يقول: ما رأيت احدًا أكذب من جابر الجعفي ولا افضل من عطاء بن أبي رباح۔" (۲)

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں نے جابر جعفی سے بڑھ کر جھوٹا، اور حضرت عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔

اور حافظ عبداللہ بن عدی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۳۶۵ھ نے "الکامل فی ضعفاء الرجال" میں اس بات کو ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

۱- جامع المسانید: ۱/۵۵۵۔ ۲- الجامع الترمذی: ۶/۲۳۳، تہذیب الکمال: ۱۹/۱۱۸۔

"ما رأيت فيمن لقيت أفضل من عطا بن أبي رباح ولا لقيت أكذب من جابر الجعفي۔"(1)

میں نے جن لوگوں کو دیکھا ہے ان میں عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ سے بڑھ کر کسی کو افضل نہیں پایا، اور میں جن سے ملا ان میں جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا نہیں دیکھا۔

مذکورہ بالا ائمہ فن اپنی سند سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول نقل کرنا امام موصوف کی ثقاہت اور فن جرح وتعدیل میں ان کی مہارت وامامت کی روشن دلیل ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ وحدیث پر نظر اور صحیح حدیث کا ادراک وبصیرت

فنون حدیث میں تفقہ ایک اہم عنصر ہے اور نصف علم کی حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد حافظ علی بن المدینی رحمہ اللہ المتوفی ۲۳۴ھ کا قول ہے:

"التفقه في الحديث نصف العلم، و معرفة الرجال نصف العلم"(2)

علم حدیث میں فقہی بصیرت حاصل کرنا آدھا علم ہے اور معرفت رجال آدھا علم ہے۔

مذکورہ بالا دونوں علموں میں اگر کسی کو دقت نظر ومہارت فن حاصل ہے تو اسے بلاشبہ حدیث کا پورا علم حاصل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن محدثین کو فقہی بصیرت حاصل نہیں وہ کامل محدث نہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ میں یہ دونوں باتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ امام موصوف کی فقہی بصیرت اور دینی تفقہ کے متعلق مجتہد مطلق امام شافعی رحمہ اللہ المتوفی ۲۰۴ھ کا قول ہے:

"الناس عيال أبي حنيفة في الفقه۔"(3)

فقہ میں لوگ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بال بچے ہیں۔

یہی بات امام موصوف سے ان الفاظ میں بھی منقول ہے:

۱-الکامل فی ضعفاء الرجال: ۱/۲۷ ۵، کتاب الضعفاء الکبیر: ۳/ ۱۶۶، جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/ ۱۳۵۔

۲-المحدث الفاصل: ص ۳۲۰۔ ۳-الانتقاء: ص ۱۳۶، تہذیب الکمال: ۱۹/ ۱۱۱۔

"الناس فی الفقه عیال علی ابی حنیفه۔"(1)

لوگ فقہ میں ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اولاد ہیں۔

حافظ مغرب علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ المتوفی ۴۶۳ھ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے اس حقیقت کو ان الفاظ سے بھی نقل کیا ہے:

"من اراد الفقه فهو عیال ابی حنیفه۔"(2)

جو فقہ و فقہی بصیرت حاصل کرنا چاہے وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا محتاج ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

"من اراد ان یتبحر فی الفقه فهو عیال ابی حنیفة۔"(3)

جو فقہ میں عبور و تبحر چاہتا ہو وہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا محتاج ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی حجازی ائمۂ فن سے بھی حدیث کی تحصیل

قاضی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی حدیث میں وسعت و وقت نظر کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ موصوف نے عراق ہی کے حفاظ و فقہاء اور محدثین سے سنن و آثار کا سماع نہیں کیا تھا بلکہ حجاز کے نامور حفاظ و فقہا و محدثین سے بھی احادیث و آثار کا سماع کیا تھا، چنانچہ عباسی خلفاء میں پہلا خلیفہ ابوالعباس السفاح عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس رحمہ اللہ (۱۰۴-۱۳۶ھ/۷۲۲-۷۵۴ء) جب ۱۳۲ھ میں برسر اقتدار آیا تو اس نے مدینہ کے نامور عالم امام مالک رحمہ اللہ کے استاد و شیخ ربیعۃ الرای رحمہ اللہ (۰۰-۱۳۶ھ) کو انبار (کوفہ) بلایا تاکہ عراق میں قضا کا منصب ان کے سپرد کیا جائے۔(4)

اس حقیقت سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے کہ اسلام میں عہد رسالت ہی سے منصب قضا ارباب فتویٰ کو دیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی المرتضیٰ، عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، ابی بن کعب رضی اللہ عنہم وغیرہ سب ہی اصحاب الرائے اور ارباب فتویٰ تھے۔ جیسا کہ ان کے فتووں میں اس امر کی صراحت گزر گئی ہے۔

۱- تاریخ الاسلام: ۷/۳۰۷، شذرات الذہب: ۱/۳۲۸۔ ۲- تاریخ بغداد: ۱۳/۳۴۶۔

۳- تہذیب الکمال، ج۱۹، ص ۱۱۱۔ ۴- تاریخ بغداد: ۸/۴۲۱۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں فقہ اور فقہی بصیرت کو کیسا بلند مقام حاصل رہا ہے۔

ابوالعباس سفاح رحمہ اللہ کی وفات کے بعد اس کا بھائی ابوجعفر المنصور عبداللہ بن محمد عباسی رحمہ اللہ (۹۵۔۱۵۸ھ/۷۱۴۔۷۷۵ء) ۱۳۶ھ میں برسراقتدار آیا۔ اس نے ہاشمیہ سے دارالخلافہ ۱۴۵ھ میں بغداد منتقل کیا تو مدینہ منورہ کے نامور علما کو بغداد بلایا چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقم طراز ہیں۔

”خلیفہ عباسی ابوجعفر منصور رحمہ اللہ نے اپنے دورِ خلافت ۱۳۶۔۱۵۸ھ میں حجاز کے علما حفاظ حدیث اور فقہا و محدثین کو عراق دارالخلافہ (کوفہ) بلایا تاکہ وہ علوم کی نشر و اشاعت کریں، چنانچہ ہشام بن عروہ (۶۱۔۱۴۶ھ/۶۸۰۔۷۶۳ء) محمد بن اسحاق (۰۰۔۱۵۱ھ/۰۰۔۷۶۸ء) یحییٰ بن سعید الانصاری (۰۰۔۱۴۳ھ/۰۰۔۷۶۰ء) ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن (۰۰۔۱۳۶ھ/۰۰۔۷۵۲ء) حنظلہ بن ابی سفیان جمحی (۰۰۔۱۵۱ھ/۰۰۔۷۶۸ء) عبدالعزیز عبداللہ بن ابی سلمہ ماجشون رحمہم اللہ (۰۰۔۱۶۴ھ/۰۰۔۷۸۰ء) وغیرہ آئے تو امام ابویوسف رحمہ اللہ ان کی تعلیمی مجالس میں حاضر ہوتے اور ان سے حدیث سیکھتے تھے اور جو علما حجاز سے آئے ان لوگوں سے بہت زیادہ حدیثیں سنی ہیں۔ انہی وجوہ و اسباب کی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردوں میں قاضی ابویوسف رحمہ اللہ حدیث کے بڑے عالم تھے۔“(۱)

معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۲۔۱۳۶ھ کے درمیانی زمانے میں قاضی ابویوسف رحمہ اللہ نے حجازی علماء سے حدیثوں کا سماع کیا تھا۔ اس لئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردوں میں امام ابویوسف رحمہ اللہ کو سنن و آثار کا سب سے بڑا عالم مانا جاتا ہے۔

فقہ حدیث اور حدیث میں امام ابویوسف رحمہ اللہ کا مقام و مرتبہ

امام ابویوسف رحمہ اللہ کو فقہ حدیث اور حدیث میں جو بلند مقام حاصل ہے، اس کے متعلق علامہ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وافقه أصحابه أبو يوسف." (۲)

۱۔ مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۰/۳۰۷۔
۲۔ سیر اعلام النبلاء: ۵/۲۳۶ (ترجمہ حماد بن ابی سلیمان)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ ابو یوسف رحمہ اللہ تھے، انہوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے سترہ برس استفادہ کیا تھا، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:

"صحبت اباحنیفۃ سبع عشرۃ سنۃ۔" (۱)

میں علم حاصل کرنے کے لئے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی صحبت میں سترہ برس رہا ہوں، امام شافعی رحمہ اللہ کے نامور شاگرد امام مزنی رحمہ اللہ المتوفی ۲۶۴ھ فرماتے ہیں:

"اتبعھم للحدیث۔" (۲)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردوں میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ سب سے بڑھ کر حدیث کا اتباع کرنے والے ہیں۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے شاگرد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بیان ہے:

"کان یعقوب ابو یوسف منصفافی الحدیث۔" (۳)

امام ابو یوسف یعقوب رحمہ اللہ حدیث میں انصاف پسند تھے۔

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کے دوسرے شاگرد سید الحفاظ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ المتوفی ۲۳۳ھ فرماتے ہیں:

"مارأیت فی اصحاب الرای اثبت فی الحدیث ولا احفظ ولا اصح روایۃ من ابی یوسف۔" (۴)

میں نے اصحاب الرای میں قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ سے زیادہ مضبوط ومعتبر راوی اور ان سے بڑھ کر حافظ حدیث اور زیادہ صحیح روایت کرنے والا نہیں دیکھا۔

قولِ صحابی کی اہمیت...... امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی نظر میں

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ صحابی رضی اللہ عنہ کے قول کے مقابلے میں قیاس کو چھوڑ دیتے تھے، چنانچہ نامور حنفی فقیہ ابو بکر الجصاص رحمہ اللہ اپنے استاد امام ابو الحسن کرخی رحمہ اللہ المتوفی

۱- مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ: ص ۳۱۔
۲- ایضاً: ۳/ ۲۵۷۔
۳- تاریخ بغداد: ۳/ ۲۵۷، تذکرہ محمد بن الحسن الشیبانی ص ۱۴۳/ ۲۳۶۔
۴- مناقب الامام ابی حنیفۃ وصاحبیہ: ص ۴۰

۳۴۸ھ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"کان ابو الحسن یقول: کثیراً مما أریٰ لابی یوسف فی إضعاف مسألة یقول: القیاس کذا، إلّا أني ترکته للاثر، و ذلک الأثر قول صحابي لاتعرف عن غیره من نظرائه خلافه،

قال ابو الحسن:" فهذا یدل من قوله دلالة بینة علیٰ أنه کان یریٰ ان تقلید الصحابي اذا لم نعلم خلافه من أهل عصره أولیٰ من القیاس۔" (۱)

ابوالحسن کرخی رحمہ اللہ فرماتے تھے: میں نے بہت مرتبہ دیکھا ہے کہ وہ مسئلہ کی کمزوری کو (بتاتے ہوئے) فرماتے تھے: قیاس یہی ہے مگر میں نے قیاس کو اثر کی وجہ سے چھوڑا ہے، اور وہ "اثر" صحابی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس قول میں اس صحابی کے نظیر و ہمسروں کا خلاف معلوم نہیں ہوتا۔ ابوالحسن کرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کا یہ قول اس امر کی دلیل ہے کہ وہ صحابی کی تقلید کو اگر ان کے معاصرین سے اس کا خلاف معلوم نہ ہو تو قیاس سے بہتر قرار دیتے ہیں۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سنن و آثار کا دائرہ کتنا وسیع تر سمجھتے ہیں، اور کس حد تک ان کی رعایت کرتے اور ان پر عمل پیرا رہتے ہیں۔

مذکورہ بالا صفات کا جامع حافظ امام مجتہد اور صحبت یافتہ شاگرد اپنے استاد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی صحبت میں دقت نظر و فقہی بصیرت کا ذکر یوں کرتا ہے:

"ما رأیت احداً اعلم بتفسیر الحدیث و مواضع النکت التی فیه من الفقه ربما ملت الی الحدیث و کان هو ابصر بالحدیث الصحیح۔" (۲)

میں نے حدیث کی تفسیر و تشریح کرنے والا، نکات و اسرار حدیث کا سمجھنے والا، اور صحیح حدیث کا ادراک کرنے والا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے زیادہ کوئی نہیں دیکھا، بارہا ایسا ہوا کہ میں حدیث کو دیکھ کر اس کی طرف مائل ہوا لیکن حقیقت میں صحیح حدیث کی بصیرت مجھ سے بڑھ کر انہیں حاصل تھی۔

۱۔ اصول الجصاص: ۲/۱۷۱، اصول السرخسی: ۲/۱۰۵، الکرخی اصول الفقہ: ۲/۸۲۔ ۲۔ تاریخ بغداد: ۱۳/۳۴۰

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہی حدیثوں پر نظر کیسی وسیع اور گہری تھی، اور فقہی اسرار و نکات کی رسائی میں وہ اپنے تمام معاصرین سے ممتاز تھے۔

حافظ اسرائیل بن یونس السبیعی رحمہ اللہ المتوفی ۱۶۲ھ فرماتے ہیں:

"كان نعم الرجل النعمان، ما كان احفظه لكل حديث فيه فقه، و اشد فحصه عنه و اعلمه بمافيه من الفقه۔"[1]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بہت اچھے آدمی تھے ان سے زیادہ کسی کو وہ حدیثیں یاد نہ تھیں، جن میں فقہ حدیث کی باتیں موجود ہیں اور ان سے زیادہ کسی نے اس کی کاوش و جستجو نہیں کی اور نہ ان سے زیادہ فقہ حدیث کا کوئی جاننے والا موجود ہے۔

امام لغت و حافظ حدیث نضر بن شمیل بصری رحمہ اللہ المتوفی ۲۰۳ھ کہتے ہیں:

كان النّاس نياماعن الفقه حتّٰى ايقظهم ابو حنيفة ممافتقه و بينه ولخصه۔[2]

لوگ فقہ کی طرف سے خواب غفلت میں پڑے تھے، یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس کی عقدہ کشائی اور وضاحت و شرح اور تلخیص کر کے انہیں خواب غفلت سے بیدار کیا۔

فقہاء و فقہ حدیث

حقیقت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے نامور تلامذہ اور دیگر مجتہدین فقہاء معانی حدیث کو محدثین کی بہ نسبت زیادہ بہتر سمجھتے اور فقہ حدیث کی بصیرت سے خوب آراستہ تھے، چنانچہ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وهم (الفقهاء) اعلم بمعاني الحديث۔"[3]

اور وہ (فقہاء) حدیث کے معانی کو بہتر سمجھتے ہیں۔

۱- ایضاً: ۱۳/ ۳۳۹۔ ۲- ایضاً: ۱۳/ ۳۳۵۔ ۳- جامع الترمذی: ۲/ ۳۰۶۔

فقہی بصیرت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سیادت وقیادت

بلاشبہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث کے معانی کے سمجھنے اور فقہ حدیث تک رسائی میں اپنے ہمعصروں میں سب سے زیادہ فائق وممتاز تھے، چنانچہ حافظ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"ساداھل زمانہ فی التفقہ، و تفریع المسائل۔" (۱)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے تفقہ (فقہی بصیرت) حاصل کرنے اور تفریع مسائل میں اپنے معاصرین کی سیادت وقیادت کی ہے۔

مزید لکھتے ہیں:

"و أمّا الفقہ والتدقیق فی الرأی وغوامضہ فالیہ المنتھیٰ فالناس علیہ عیال فی ذلک۔" (۲)

لیکن فقہ، فقہی مسائل میں دقت نظر اور مشکلات فقہ کے حل میں وہی حرف آخر ہیں اور لوگ ان کے محتاج ہیں۔

فقہی بصیرت سے آراستہ تین مجتہد امام

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نامور شاگرد عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ کا قول ہے:

"إن کان الاثر قد عرف واحتیج إلی الرأی، فرأی مالک وسفیان و أبی حنیفۃ، وابو حنیفہ احسنھم وادقھم فطنۃ، واغوصھم علی الفقہ۔" (۳)

حدیث واثر موجود ہو اور رائے کی احتیاج ہو تو امام مالک وسفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بات ماننی چاہیے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ باریک بینی وزیرکی میں سب سے بہتر ہیں، اور فقہی بصیرت میں وہ ان تینوں میں سب سے زیادہ گہری نظر کے مالک ہیں۔

۱۔ تاریخ الاسلام ۳۰۶/۳، (ترجمہ النعمان بن ثابت)۔ ۲۔ سیر اعلام النبلاء: ۳۹۲/۶۔

۳۔ تاریخ بغداد: ۳۴۳/۱۳۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اپنے علمی و تحقیقی سرمایہ پر تبصرہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نامور شاگرد فقیہ و مجتہد حسن بن زیاد لولوی رحمہ اللہ المتوفی ۲۰۴ھ فرماتے ہیں، میں نے امام موصوف کو یہ فرماتے سنا ہے:

"قولنا هذا رأی وهو احسن ماقدرنا علیه فمن جاء نا باحسن من قولنا فهو اولٰی بالصواب منا۔"(۱)

ہمارا قول کہ یہ رائے ہے اور یہ وہ رائے ہے جسے ہم نے اپنی بساط کے مطابق سب سے بہتر طریقے پر پیش کیا ہے، جو کوئی ہماری اس تحقیق سے زیادہ اچھی تحقیق پیش کرے وہ ہم سے زیادہ برسرِ حق ہوگا (اس کی تحقیق کو قبول کرنا چاہیے)

شیخ الاسلام امام اعمش رحمہ اللہ کا اعتراف حقیقت

حافظ عبید اللہ بن عمرو الرقی رحمہ اللہ المتوفی ۱۸۰ھ کا بیان ہے:

ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، شیخ الاسلام امام حدیث حضرت سلیمان اعمش رحمہ اللہ کے پاس بیٹھے تھے، کہ ایک شخص نے حضرت اعمش رحمہ اللہ سے مسئلہ پوچھا، وہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکے، اس کی نظر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر پڑی، اس نے امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا: آپ نے اسے فوراً جواب دیا، امام اعمش رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے کہا:

"نحن الصّیادلة وأنتم الأطباء۔"(۲)

ہم (محدثین) دوا فروش ہیں اور تم (فقہاء) ڈاکٹر ہو۔

یہی حال امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نامور تلامذہ کا تھا۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کے شاگرد، فقیہ بشر بن الولید کندی رحمہ اللہ المتوفی ۲۳۰ھ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا بیان نقل کیا کہ ایک نشست میں حضرت اعمشؒ اور میں تنہا تھے، حضرت اعمش رحمہ اللہ نے چند حدیثیں سنائیں، پھر ایک مسئلہ پوچھا: میں نے جواب دیا، فرمایا: اس کی اصل اور دلیل کیا ہے: میں نے کہا: اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو آپ نے ابھی بیان کی ہے۔ حضرت

۱- تاریخ بغداد، ج ۱۳/ ۳۵۲۔

۲- جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/ ۱۳۰-۱۳۱۔

اعمش رحمہ اللہ نے فرمایا: مجھے یہ حدیث اس وقت سے یاد ہے جب تم اپنی ماں کے پیٹ میں بھی نہیں آئے تھے، لیکن اس کی یہ تاویل اور مطلب مجھ پر منکشف نہیں ہوا جواب سمجھ میں آیا ہے، پھر فرمایا:

''نحن الصيادلة و انتم الأطباء''[1]

ہم دوا فروش ہیں تم ڈاکٹر ہو۔

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کی شاگردوں کو فقہ حدیث کی تاکید

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ المتوفی ۱۹۸ھ اپنی مجالس درس میں فقہی بصیرت حاصل کرنے پر زیادہ زور دیتے، لیکن ان کے شاگرد اس پر دھیان نہیں دیتے تھے، چنانچہ حافظ علی بن خشرم المروزی رحمہ اللہ المتوفی ۲۵۷ھ کا بیان ہے کہ:

''ہم سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کی مجلس میں حاضر تھے، وہ فرماتے تھے: ''اے طالب علمو! فقہ حدیث (فقہی بصیرت) سیکھو تاکہ تمہیں اصحاب الرائے مغلوب نہ کریں، ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کوئی بات نہیں کہی، مگر یہ کہ ہم اس سلسلے میں ایک دو حدیثیں بیان کر سکتے ہیں، موصوف نے یہ فرمایا اور اصحاب حدیث نے فقہ حدیث کو چھوڑ دیا، ان کی اس بات پر توجہ نہ دی، اور بولے: بتایئے عمرو بن دینار کن سے روایت کرتے ہیں؟[2]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہی بصیرت کے بنیادی سرچشمے

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے نت نئے مسائل حل کرنے اور ان کے استخراج واستنباط کے بنیادی سرچشموں کی نشاندہی کی ہے، اسے حافظ ابوالحجاج المزی رحمہ اللہ المتوفی ۷۴۲ھ نے اپنی سند سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

یحییٰ بن ضریس رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ میں سفیان ثوری رحمہ اللہ کی مجلس میں حاضر تھا کہ ایک شخص آیا اور سفیان ثوری رحمہ اللہ سے کہنے لگا: تم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے کیوں ناراض رہتے ہو، ثوری رحمہ اللہ نے پوچھا، کیا ہو گیا؟ وہ بولا: میں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو یہ کہتے سنا

۱۔ مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ: ۲۱۔

۲۔ معرفۃ علوم الحدیث: ص ۶۶

ہے کہ: میں مسئلہ کتاب اللہ میں ڈھونڈتا ہوں، اس میں رہنمائی نہیں پاتا تو سنت میں ڈھونڈتا ہوں، پھر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں بھی سراغ نہیں لگتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال میں جستجو کرتا ہوں، اور ان میں سے جس کے قول کو چاہتا ہوں اختیار کرتا ہوں، اور اور ان میں سے جس کا قول کا چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں، اور ان کے اقوال سے باہر کسی اور کے قول کو نہیں لیتا۔ (1)

پھر جب بات ابراہیم نخعی، شعبی، ابن سیرین، حسن بصری، عطاء بن ابی رباح، اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ تک آتی ہے، تو (امام ابوحنیفہؒ نے کچھ اور بھی نام لئے) تو پھر یہ بات تابعین کی ہو جاتی ہے، انہوں نے اجتہاد کیا تو میں بھی اجتہاد کرتا ہوں، جیسے انہوں نے اجتہاد کیا۔ حافظ ابن ضریس رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ یہ باتیں سن کر بہت دیر خاموش رہے، پھر بصیرت فقہی سے کچھ کلمات فرمائے، مجلس میں ہر شخص نے انہیں قلمبند کیا (وہ یہ ہیں)، ہم جب سخت وعید کی حدیثیں سنتے ہیں تو ڈرتے ہیں اور جب نرم (ترغیب) کی حدیثیں سنتے ہیں تو مغفرت کی امید رکھتے ہیں، ہم زندوں کا محاسبہ کرتے ہیں، جو دنیا سے رخصت ہو گئے ان پر حکم نہیں لگاتے، ہم نے جو سنا اسے تسلیم کرتے ہیں، جو نہیں جانتے اسے عالم الغیب کے سپرد کرتے ہیں، ہم ان کی فقہی رائے و بصیرت کے مقابلے میں اپنی رائے کو رقم کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ یہ دونوں سرچشمے علم و معرفت کے وہ بنیادی سرمایہ فیوض و برکات ہیں، جن سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مسائل کا استخراج کرتے اور مراد حق کو پانے اور اس تک پہنچنے کی پیہم کوشش کرتے رہتے تھے۔

مورخ ابوعبداللہ الصیمری رحمہ اللہ المتوفی ۴۳۶ھ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذکورہ بالا بیان حسب ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے:

"(وہ مسائل جو بصراحت قرآن میں مذکور نہیں ہیں ان کا) میں پہلے قرآن

۱- تہذیب الکمال فی اسماء الرجال: ۱۷/۱۱۷۔

میں کھوج لگاتا ہوں اگر انہیں پاتا ہوں تو بہت اچھا اور جب اس میں نہیں پاتا ہوں تو پھر رسول اللہ ﷺ کی سنن اور صحیح آثار میں جو معتبر راویوں کے پاس معتبر سند سے موجود ہیں ان میں جستجو کرتا ہوں، پھر اسے اختیار کرتا ہوں، پھر اگر ان دونوں میں نہیں ملتا تو پھر اصحاب رسول ﷺ کے اقوال میں دیکھتا ہوں، جس کے قول کو چاہتا ہوں اختیار کرتا ہوں، اور جس کو چاہتا ہوں چھوڑتا ہوں اور صحابی رضی اللہ عنہ کے اقوال کے دائرے سے باہر نہیں نکلتا۔ عہد تابعین میں سب تابعی مجتہد برابر ہیں، کسی کا میں کسی کا متبع و مقلد نہیں، اجتہاد کرتا ہوں، جیسے وہ اجتہاد کرتے ہیں، چنانچہ جب ابراہیم نخعی، شعبی، حسن بصری، ابن سیرین، سعید بن المسیب رحمہم اللہ اور کچھ اور مجتہدین تک بات آتی ہے اور وہ اجتہاد کرتے ہیں، تو پھر مجھے بھی حق ہے کہ میں بھی اجتہاد کروں جیسے انہوں نے اجتہاد کیا ہے۔ (۱)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذکورہ بالا بیان اس امر کا نہایت واضح ثبوت ہے کہ وہ تابعین میں سے ہی مجتہد تابعی کے افکار و نظریات اور مسلک و مذہب کے نہ ترجمان تھے نہ اس کے تابع و پیروکار۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتہادی مسائل میں پیروی کو اس لئے ضروری قرار دیا کہ اصابت رائے میں وہ تابعین سے بہت بہتر و برتر تھے اور اس امر کی دلیل یہ حدیث ہے:

"لو أن أحدكم انفق مثل أحد ذهباً مابلغ مُد احدهم و لا نصيفه" (۲)

تم میں سے کوئی اگر احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ ان کے مُد (پیمانہ) کے برابر (جس کا وزن پونے دو سیر ہے) بلکہ اس کے نصف وزن کو بھی نہیں پہنچے گا۔

شمس الائمہ رحمہ اللہ "اصول السرخسی" میں اس کی تشریح کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں:

"فعرفنا أنهم يوفقون لاصابة الرأی مالا يوفق غيرهم منه فيكون رأيهم أبعد من احتمال الخطأ من رأی من بعد هم." (۳)

۱- اخبار أبی حنیفۃ وأصحابہ: ص ۲۴، الانتقاء: ص ۱۴۲، تاریخ بغداد: ۳۶۸/۱۳، مناقب الامام ابی حنیفۃ وصاحبیہ: ص ۲۰، تہذیب التہذیب: ۳۴۰/۱۰۔ ۳۴۱۔ ۲- الحر رفی اصول الفقہ: ۸۵/۲۔ ۳- اصول السرخسی: ۳۱۳/۱

تو ہمیں معلوم ہوا کہ صحابی رضی اللہ عنہ (اصابت رائے اور صحیح رائے کی رسائی) میں توفیق الٰہی سے صحت کی اس حد تک پہنچ چکے ہیں، جس حد کو دوسرا کوئی نہیں پہنچتا، اس لئے ان کی رائے ان کے بعد آنے والوں کی رائے سے غلطی اور خطا کے احتمال سے دور ہے۔

شمس الائمہ السرخسی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

”ماجاء عن الصحابه اتبعناهم، وماجاء ناعن التابعين زاحمناهم۔ إنما قال ذلك لأنه كان من جملة التابعين ...... كان ممن يجتهد في عهد التابعين ويعلم الناس حتى ناظر الشعبي في مسالة النذر بالمعصية۔“(۱)

صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو آیا ہے ہم ان کی اتباع اور پیروی کریں گے، اور تابعین کی طرف سے جو بات آئے گی ہم بھی اجتہاد کے ذریعے ان سے مقابلہ کریں گے، ہم کہتے ہیں، ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یہ بات اس لئے فرمائی ہے کہ وہ تابعی ہیں اور ان فقہاء میں سے ہیں جو عہد تابعین میں اجتہاد کرتے اور لوگوں کو اجتہاد کا طریقہ سکھاتے اور پڑھاتے تھے، یہاں تک کہ نذر بالمعصیة کے مسئلے میں امام شعبی رحمہ اللہ سے (جنہوں نے پانچ سو صحابہ کو دیکھا تھا) انہوں نے مناظرہ کیا تھا۔ ظاہر ہے وہ ابراہیم، حسن بصری، وابن سیرین رحمہم اللہ کے اجتہاد کی پابندی کیونکر کر سکتے ہیں، ہاں جن اجتہادی مسائل میں ان کی رائے ان کے موافق ہوگی وہ ان کے ساتھ رہیں گے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا نظریہ

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا نظریہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے مذہب کے تابع و پیرو ہیں، چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

”كان ابوحنيفة رضي الله عنه الزمهم بمذهب ابراهيم و أقرانه لايجاوزه الاماشاء الله۔“(۲)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اور ان کے ہم عصروں کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کر رکھا تھا وہ اس سے تجاوز نہیں کرتے تھے مگر بہت کم۔

۱- ایضاً۔ ۲- الانصاف فی بیان سبب الاختلاف: ص ۱۸۔

موصوف ''حجة الله البالغه'' میں لکھتے ہیں:

''کان ابوحنیفہ رضی اللّٰہ عنہ الزمھم بمذھب ابراھیم و أقرانہ لایجاوزہ الاماشاء اللّٰہ و کان عظیم الشان فی التخریج علی مذھبہ و دقیق النظر فی وجوہ التخریجات مقبلاً علی الفروع أتم إقبال''(1)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اوران کے ہمعصر علماء کے مذہب کے پابند تھے، اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے مذہب سے باہر نہیں جاتے الا ماشاء اللہ، وہ ان کے مذہب کے مطابق مسائل کی تخریج کرتے تھے، وہ بڑی شان رکھتے تھے، وجوہ تخریجات کے معلوم کرنے میں دقیق النظر تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا مذکورۂ بالا بیان متعدد وجوہ واسباب سے محل نظر ہے:

۱۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مشہور مجتہدین تابعین کو نام بنام گنا کر بتایا ہے کہ میں ان میں سے کسی مجتہد کے مسلک کی پیروی وتقلید نہیں کرتا، ان میں پہلا نام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا ہے، پھران کے مشہور ہم عصر مجتہدین کے نام ہیں۔

۲۔ ''ائمہ اصول فقہ'' اس امر پر متفق ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مجتہدین تابعین میں سے کسی امام کے مذہب کے مقلد و ترجمان اور ناشر نہیں، چنانچہ وہ ''زاحمناھم'' ہیں کہ ہم نہ ان کے اجماع کو تسلیم کرتے ہیں، نہ ان کے مسلک ونظریات کے پیروکار ہیں، بلکہ ''ھم رجال و نحن رجال'' وہ بھی مجتہد ہیں ہم بھی مجتہد ہیں، کے قائل ہیں، ان کو اجتہاد کا حق ہے، ہم بھی اجتہاد کرتے ہیں، ہم ان کے اجتہاد کے پابند نہیں یہ اور بات ہے کہ بعض مسائل میں ہمارا ان کا اتفاق ہو جائے۔

۳۔ انہی وجوہ سے اصولیین امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو مجتہد مطلق مانتے اوران کے مذہب کے مقلد ہیں۔

۴۔ کوئی اصولی شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے مذکورہ نظریہ کا ہم نوا نہیں ہے۔

۱۔ حجۃ اللہ البالغۃ: ۳۱۹/۲۔

۵۔ محقق عصر علامہ محمد عبد الرشید نعمانی رحمہ اللہ نے "ماتمس الیہ الحاجہ" میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے مذکورہ نظریے کی تردید کی ہے۔[1]
یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا یہ نظریہ بھی ان کے تفردات میں سے ہے۔

بعض اعتراض کرنے والوں کے اس اعتراض کا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تابعی نہ تھے، جواب دیتے ہوئے شمس الائمہ رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

"عن ابی حنیفة انه قال: اذا اجتمعت و الصحابة علی شئی سلمناه لهم، و اذااجتمع التابعون زاحمناهم ...... واماابو حنیفة فهو تابعی قد ادرک فیما یحکی اربعة من الصحابة ...... فجاز له مزاحمة التابعین۔
فان ابا حنیفة قد کان من اهل الاجتهاد فی زمن التابعین، و کان یفقه الناس فیماقیل اربعین سنة و کثیر من التابعین کانوا موجودین بعد سنة عشرین ومائة، فلما لحق ایامهم، وهو من اهل الفتیا، جاز له مخالفتهم والقول معهم[2]

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ صحابہ کا جب کسی بات پر اجماع ہو جاتا ہے تو ہم اسے تسلیم کرتے ہیں، اور اگر تابعین کا کسی بات پر اجماع ہو تو ہم ان کے اجماع کو نہیں مانیں گے، ہم ان کی اس میں مزاحمت کریں گے۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ تابعی ہیں، موصوف نے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے چار صحابہ کو دیکھا ہے، انہیں تابعین سے مزاحمت کرنے کا حق ہے؛ اس لئے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ عہد تابعین میں اہل اجتہاد میں سے تھے۔ وہ چالیس برس تک طلبہ کو فقہ پڑھاتے رہے جیسا کہ مشہور ہے، اور ان کے زمانے میں ۱۲۰ھ کے بعد بھی تابعین کثیر تعداد میں موجود تھے، امام موصوف اس زمانے میں ان کے ساتھ کام کرتے رہے ہیں اور ابوحنیفہ رحمہ اللہ ارباب فتویٰ میں سے تھے، موصوف کو ان کی مخالفت اور موافقت دونوں جائز و درست ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی چالیس سالہ فقہی، تدریسی و تحقیقی خدمات نے فقہ ابوحنیفہ

۱۔ ماتمس الیہ الحاجہ لمن یطالع سنن ابن ماجہ: ص ۴۷۔

کو اسلامی قلمرو میں ایسا پھیلایا اور اس کا نفع ایسا عام و تام کیا تھا کہ شیخ الاسلام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ المتوفی ۱۹۸ کا بیان ہے:

"شیئان ماظننت أنهما يجاوزان قنطرة الكوفة وقد بلغا الآفاق"[1]

دو چیزیں ایسی ہیں جن کے متعلق میرا وہم وگمان نہ تھا کہ وہ کوفہ کا پل پار کریں گی۔

(قراءة حمزة كسائي و فقه ابو حنيفه) یہ دونوں اسلامی قلمرو کے چپے چپے میں پہنچی ہوئی ہیں۔ سید الحفاظ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ المتوفی ۲۳۳ھ فرماتے تھے:

"القرأة عندي قرأة حمزة والفقه فقه أبي حنيفة، على هذا ادركت الناس"[2]

میرے نزدیک قرأت، حمزہ رحمہ اللہ کی قرأت ہے، اور فقہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ ہے، میں نے لوگوں کو اسی پر عمل کرتے پایا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا سنن وآثار اور فقہ کا علمی وتحقیقی سرمایہ دوسری صدی ہجری میں براعظم ایشیا اور افریقہ میں پہنچ گیا تھا، اسلامی قلمرو کے مرکز عراق، حجاز، خراسان، شام ومصر اور بربر میں یہ علمی ورثہ اپنی افادیت کی وجہ سے مجتہدین اور دانشوروں کے علمی سرمائے میں اپنی جگہ بنا چکا اور مرکز توجہ بن گیا تھا۔

عہد عباسی میں عراق، بغداد، کوفہ و بصرہ علم کے مشہور مرکز تھے، یہاں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتابیں ان کے شاگردوں اور ہم عصروں کے زیر مطالعہ تھیں، چنانچہ مجتہدین میں امام سفیان ثوری رحمہ اللہ (۹۷۔۱۶۱ھ/ ۷۱۶۔۷۷۸ء) کے پاس امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی "کتاب الرهن" کا تذکرہ کتب تاریخ میں عام ہے۔[3] دانشور ومورخ محمد بن عمر الواقدی رحمہ اللہ (۱۳۰۔۲۰۷ھ/ ۷۴۷۔۸۲۳ء) کے عظیم کتب خانے[4] میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتابیں موجود تھیں۔[5] یہ ایسا عظیم کتب خانہ تھا جو بغداد میں ان کے نامور شاگرد محمد بن سعد رحمہ اللہ کے پاس بھی منقول ومحفوظ تھا۔[6]

۱۔ اصول الجصاص: ۲/۱۳۰، اصول السرخسی: ۲/۱۱۲، الحر رفی اصول الفقہ: ۲/۸۸۔ ۲۔ تاریخ بغداد: ۱۳/۳۴۷
۳۔ ایضاً۔ ۴۔ اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ: ص ۴۷، تاریخ بغداد: ۱۳/۳۴۲، الجواہر المضیۃ: ۱/۲۵۰۔
۵۔ تاریخ بغداد: ۳/۵۔۶، اسلامی کتب خانے عہد عباسی میں: ص ۳۴۳۔ ۶۔ الجواہر المضیۃ: ۱/۱۸۷، رقم ۳۱۱۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (۱۶۴ـ۲۴۱ھ/۷۸۰ـ۸۵۵ء) ہر جمعہ کو اس کے کتب خانے سے دو جز منگا کر اس سرمائے کا مطالعہ اور اس سے استفادہ کرتے تھے۔ (۱)

کوفہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اسد بن عمرو الباہلی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۸۸ھ کے پاس امام موصوف کی کتابیں موجود و محفوظ تھیں۔ (۲)

مسائل میں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولیت

حجاز میں مدینہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، ائمہ مجتہدین میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو نہایت ممتاز مقام حاصل تھا، ان کے مطالعے میں بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا علمی و تحقیقی ذخیرہ موجود تھا، چنانچہ علامہ عبدالعزیز بن محمد دراوردی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۸۶ھ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بیان نقل کیا ہے:

"عندی من فقه ابی حنیفة ستون آلاف مسالة۔" (۳)

میرے پاس امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساٹھ ہزار مسئلے موجود ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں اس زمانے میں کتنی مقبول تھیں۔

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں مطالعہ کرتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے تھے، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالعزیز دراوردی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے:

"کان مالک بن انس ینظر کتب ابی حنیفة و ینتفع بها۔"

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں مطالعہ کرتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے تھے اور امام موصوف کی کتابیں مجتہدین کی رہنمائی کرتی تھیں (۵)۔

جیسا کہ علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجہ ذیل بیان سے عیاں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ان خصوصی مناقب میں سے جن میں وہ یکتا ہیں۔ ایک یہ

۱ـ تاریخ بغداد: ۳۲۲/۵، اسلامی کتب خانے عہد عباسی میں: ص ۳۳۳ـ۳۳۵۔ ۲ـ ایضاً۔
۳ـ الجواہر المضیہ: ۱/۱۴۰۔ ۴ـ مقدمۃ کتاب التعلیم: ۱۳۳/۲، اقوام المسالک: ۹۷۔ ۵ـ ایضاً: ۹۹۔

ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں، جنہوں نے علم شریعت مدون کیا اور اس کی ابواب پر ترتیب کی، پھر امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے موطاء کی ترتیب میں انہی کی پیروی کی اور اس امر میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں۔ (۱)

خراسان، ترمذ اور بلخ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد عبدالعزیز بن خالد الترمذی رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتابوں کی روایت واشاعت کرتے تھے۔ (۲)

بلخ میں قاضی بلخ ابو مطیع حکم بن عبداللہ البلخی رحمہ اللہ (۱۱۳۔۱۹۷ھ/ ۷۳۱۔۸۱۲ء) موجود تھے یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے "کتاب الفقہ الاکبر" کے راوی ہیں۔ (۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتابیں موجود تھیں۔

مرو میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد عبداللہ بن المبارک مروزی خراسانی رحمہ اللہ (۱۱۸۔۱۸۱ھ/ ۷۳۶۔۷۹۷ء) کے پاس بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتابوں کا ذخیرہ موجود تھا بلکہ وہ تحقیقاتی ذخیرہ تو معلوم ہوتا ہے سفر وحضر میں بھی ساتھ رکھتے تھے، چنانچہ جب بیروت میں عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی مجتہد مطلق ابوعمرو عبدالرحمٰن اوزاعی رحمہ اللہ (۸۸۔۱۵۷ھ/ ۷۰۷۔۷۷۳ء) سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے ابن المبارک رحمہ اللہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق پوچھا تو موصوف نے انہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے فقہی مسائل دکھائے تو ان کی غلط فہمی دور ہوئی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علمی مقام کا اندازہ ہوا۔ (۴)

افریقہ، بلاد بربر و مصر میں، ابوسعید سابق بن عبداللہ المعروف بالبربری رحمہ اللہ جو شاعر وزاہد اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد "کتاب الآثار" کے ان سے راوی

۱۔ تبییض الصحیفہ: ص ۳۶۔ ۲۔ مناقب الامام الاعظم: ۱/۶۸۔ ۳۔ الجواہر المضیہ: ۲/۲۶۵۔۲۶۶، میزان الاعتدال: ۱/۵۷۴، ابو مطیع بلخی رحمہ اللہ کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے ان کی تعدیل منقول ہے، چنانچہ سید الحفاظ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اپنے شاگرد احمد بن محمد بغدادی رحمہ اللہ سے فرمایا تھا: "فما ظنک بمن عدلہ ابن المبارک ووکیع (مناقب امام الاعظم للکردری" ج ۱ ص ۹۱) تمہارا کیا خیال ہے جس کی توثیق وتعدیل عبداللہ بن المبارک اور وکیع رحمہ اللہ نے کی ہو۔ ۴۔ تاریخ بغداد: ۱۳/۳۳۸۔

ہیں موجود تھے، چنانچہ حافظ ابوالقاسم ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۷۱ھ نے تصریح کی ہے کہ بربری رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے "کتاب الآثار" کے راوی ہیں۔ (۱)

مصر علوم اسلامی کا مرکز تھا، یہاں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا علمی ذخیرہ، امام مالک، امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے شاگرد، اسد بن الفرات رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۲۔ ۲۱۳ھ/ ۷۵۹۔ ۸۲۸ء) لے کر پہنچے تھے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نامور فقیہ عبداللہ بن وہب رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۹۷ھ اور عبدالرحمن ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۹۱ھ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کے مسائل کے متعلق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی آراء ان سے معلوم کیں، چنانچہ فقیہ ابواسحاق شیرازی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۴۷۶ھ میں رقم طراز ہیں:

"هذه كتب ابى حنيفة، وسال ان يجيب فيها على مذهب مالك"۔(۲)

اسد نے کہا: یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں ہیں، اور پوچھا آپ ان کا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر جواب دیں،

دیار مغرب میں یہی کتابیں "كتب الاسدية" کے نام سے مشہور ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور ان کے مذہب کے راوی، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں امام ابوابراہیم اسماعیل مزنی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۶۴ھ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے، چنانچہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۳۲۱ھ کا بیان ہے۔

"انى كنت ارى خالى يديم النظر فى كتب ابى حنيفة فلذلك انتقلت إليه" (۳)

میں دیکھتا تھا کہ میرے ماموں ہمیشہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہتے، چنانچہ میں نے شافعی مذہب چھوڑ کر حنفی مذہب اختیار کیا۔

ابن الندیم رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تدوین علم کی خوبی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

"العلم براً و بحراً شرقاً و غرباً بعداً و قرباً تدوينه، رضى الله عنه"

۱۔ تاریخ ابن عساکر: ۲۰/۷ ترجمہ سابق بن عبداللہ معروف بالبربری۔

۲۔ طبقات الفقہاء: ص ۱۳۶۔

۳۔ وفیات الاعیان لابن خلکان: ۱/۷۱۔

اللہ امام رحمہ اللہ سے راضی ہو، اس تدوین نے خشکی وسمندر، مشرق ومغرب، دور ونزدیک ہر جگہ کو علم سے بھر دیا ہے۔ (۱)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا عظیم ترین کارنامہ

تابعین کے دور میں علم شریعت کی تشکیل وتدوین کی سعادت امام حنیفہ رحمہ اللہ کو حاصل ہے، چنانچہ قاضی ابوبکر عتیق بن داؤد یمانی رحمہ اللہ اپنے رسالے "فضل ابی حنیفہ" میں رقم طراز ہیں:

"وابو حنيفة اوّل من دوّن علم هذه الشريعة، لم يسبقه احد ممن قبله، لان الصّحابة و التابعين لم يضعوا في علم الشريعة ابواباً مبوبة ولا كتاباً مرتبة، و انما كانوا يعتمدون على قوة فهمهم، وجعلوا قلوبهم صناديق علمهم، فنشأ ابوحنيفة بعدهم فرأى العلم منتشراً، فخاف عليه الخلف السّوء أن يضيعوه، ولهذا قال ﷺ: "إن الله تعالىٰ لايقبض العلم انتزاعاً ينتزعه من الناس و انما ينتزعه موت العلماء فيبقى رؤساء جهال يفتون بغير علم فيضلون ويضلون" فلذلك دوّنه ابوحنيفة ابواباً مبوبة و كتباً مرتبة، فبدأ بالطهارة، ثم بالصلاة ثم بسائر العبادات على الولاء، ثم با لمعاملات ثم ختم بكتب المواريث۔ وانما ابتدأبا لطهارة ثم بالصلاة لان المكلّف بعد صحة الاعتقاد اول مايخاطب بالصلاة لانها اخص العبادات واعم وجوبا، و اخر المعاملات لانّ الاصل عدمها و برائة الذمة منها، و ختمه بالوصايا و المواريث لانّها آخر احوال الانسان فما احسن مابتدأ به و ختم، ثم جاء الائمة من بعده، فاقتبسوا من علمه و اقتدوا به، و فرعوا كتبهم على كتبه ......

فاذا كان الله تعالىٰ قدضمن لنبيه ﷺ حفظ الشريعة كان أبوحنيفة اوّل من دونها، فيبعد أن يكون الله تعالىٰ قدضمنها ثم يكون اول من دونها على

۱- الفہرست لابن ندیم: ص ۱۷۔

خطاء"۔ (1)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شریعت کے علم کو مدون ومرتب کیا اور کسی کو ان پر سبقت حاصل نہیں، اس لئے کہ صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم نے علم شریعت ابواب میں مدون نہیں کیا تھا اور نہ کتابی صورت میں ترتیب دیا تھا، وہ صرف اپنی قوت فہم پر بھروسہ رکھتے تھے، انہوں نے اپنے دل ودماغ کو علم کا خزانہ بنایا ہوا تھا، ان اکابر تابعین کے بعد جب ابوحنیفہ رحمہ اللہ نمایاں ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ علم شریعت منتشر ہے، انہیں خطرہ ہوا کہ بعد میں آنے والی نسلیں اس علم کو برباد کردیں گی، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "اللہ تعالی لوگوں کے سینوں سے علم چھین نہیں لے گا بلکہ وہ عالموں کو دنیا سے اٹھالے گا پھر دنیا میں جاہل سردار رہ جائیں گے، جن کے پاس علم نہ ہوگا، وہ خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے، اس لئے ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے شریعت کا علم مدون ومرتب کیا اور اس کی ابواب میں ترتیب کی، کتاب میں عنوان اور ابواب قائم کئے، چنانچہ "کتاب الطہارت" سے ابتدا کی، پھر "کتاب الصلاۃ" کا عنوان قائم کیا، پھر عبادات کے تمام ابواب ترتیب وار مقرر کئے، پھر معاملات کے ابواب قائم کئے، اور میراث کے ابواب پر شریعت کو ختم کیا۔ آغاز طہارت سے کیا، پھر صلاۃ کا عنوان لگایا، اس لئے کہ ہر مکلف انسان کو صحت اعتقاد کے بعد نماز پڑھنے کا حکم ہے، یہ خاص اور اہم عبادات میں سے ہے، ہر مکلف پر فرض ہے، آخر میں معاملات ہیں کیونکہ اصل یہی ہے کہ یہ معاملات نہ ہوں اور انسان ان سے بری الذمہ ہو، کتاب کا خاتمہ وصایا اور مواریث پر کیا، اس لئے کہ ان کا تعلق اس کے آخری حالات سے ہے، کیسی اچھی ابتدا اور کیسا اچھا خاتمہ ہے، جو ائمہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بعد آئے انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علم سے فائدہ اٹھایا، ان کی پیروی کی اور ان کتابوں پر اپنی کتابوں کی تفریع کی، انہی سانچوں میں اپنی کتابوں کو ڈھالا۔

اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کی شریعت کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کی تدوین کی ہے، تو بعید ہے کہ اللہ تعالی ضمانت

1 ۔ مناقب الامام الاعظم لصدر الائمہ: ۲/۱۳۶۔ ۱۳۷، مقدمہ کتاب التعلیم، ص ۱۶۶۔

لے اور اس کا پہلا مدون غلطی کرے۔

اجتہادی مسائل میں ائمۂ فقہا کی کشادہ دلی

مجتہدین میں جس طرح اجتہادی مسائل کے استنباط و استخراج میں اختلاف نظر رہا، یہ اختلاف ان کے شاگردوں میں بھی نمایاں رہا جو اجتہادی مسائل میں ان کی کشادہ دلی و برداشت اور رواداری کی نہایت روشن دلیل ہے۔ چنانچہ مسجد حرام مکہ معظمہ میں ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت اعمش (۶۱۔۱۴۸ھ/ ۶۸۱۔۷۶۵ء) امام مالک (۹۳۔۱۷۹ھ) اور حضرت عثمان بتی رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۳ھ) تشریف فرما تھے، کسی نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا، مسئلہ ایک اور ہر امام کا جواب مختلف، مسئلہ پوچھنے والے سے نہ رہا گیا، اس نے ان سے پوچھا کہ وجہ اختلاف آخر ہے کیا؟ مورخ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، اس واقعے کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''حضرت اعمش کوفہ سے، حضرت مالک بن انس مدینہ سے اور حضرت عثمان بتی رحمۃ اللہ علیہ بصرہ سے، حج کے لئے نکلے، اور مسجد حرام میں بیٹھ کر فتوے دیئے، وہ فتوے ایک دوسرے کے خلاف ہوئے تو ایک شخص نے حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی، آپ اہل مدینہ کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں، حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں کہا: ہم میں اور اہل مدینہ میں اختلاف آج کا نہیں، پرانا ہے، چنانچہ ہم اپنے علماء کے قول کو پسند کرتے ہیں اور وہ اپنے علماء کے قول کے دلدادہ ہیں (ہر ایک اپنے اسلاف کے اقوال و آراء پر عمل کرتا ہے سب دین پر عمل کرتے ہیں)[1]

اسلامی دنیا کے چار مقبول و عظیم الشان فقہی مذاہب

مذاہب اربعہ جنہیں اسلامی دنیا میں شہرت حاصل ہے ان میں:

۱۔ عظیم ترین مذہب حنفی مذہب ہے، پھر عظیم تر مذہب۔

۲۔ شافعی مذہب، اس کے بعد،

---

۱ - تاریخ بغداد: ۱۶۶/۸ (ترجمہ حسن بن یونس رقم ۱۴۷۲)۔

۳۔ مالکی مذہب اور پھر،

۴۔ حنبلی مذہب ہے، موخر الذکر مذاہب ثلاثہ بھی حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے تلامذہ اور فقیہان کوفہ کے مرہون منت ہیں، خاص طور پر امام محمد ؒ کے تربیت یافتہ شاگردوں کا فیض وثمرہ ہیں، علامہ شمس الدین الذہبی ؒ، فقیہان کوفہ کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

''اہل کوفہ میں سب سے بڑھ کر فقیہ حضرت علی ؓ اور ابن مسعود ؓ ہیں، اور ان دونوں مجتہدوں کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ، علقمہ ؒ اور علقمہؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ، ابراہیم ؒ تھے، اور ابراہیمؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ حماد ؒ تھے، اور حمادؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ ابو حنیفہ ؒ تھے، اور ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ ابو یوسف ؒ تھے، ان کے شاگرد سارے جہاں میں پھیل گئے، اور ان کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ محمد ؒ تھے اور محمدؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر فقیہ ابو عبداللہ الشافعی ؒ تھے۔''(۱)

کوفے میں مجتہدین فقہا کی فراوانی

خطیب بغدادی ؒ نے جب قاضی محمد بن عبداللہ النہروانی ؒ (۳۲۵-۴۰۲ھ/ ۹۳۷-۱۰۱۱ء) کے معاصرین کا حسب ذیل قول نقل کیا:

''لم یکن بالکوفۃ من زمن عبداللہ بن مسعود ؓ إلی وقتہ أفقہ منہ''(۲)

کوفے میں عبداللہ بن مسعود ؓ کے زمانے سے ان کے زمانے تک ان سے بڑھ کر فقیہ نہیں گزرا۔

اس خلاف واقعہ بات پر مورخ ذہبی ؒ فقیہان کوفہ کو نام بنام گناتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

۱- سیر اعلام النبلاء: ۵/۲۳۶، (ترجمہ حماد بن ابی سلیمان)۔

۲- تاریخ بغداد: ۵/۴۷۲، الانساب: ۵/۶۳۶، (النہروانی)۔

"قلت: بل كان بالكوفة وبين ابن مسعود جماعة افقه منه، كعلقمة، و عَبِيدة السلماني، و جماعة، ثم كالشعبي، و ابراهيم النخعي، ثم كحماد و الحكم ومغيرة وعدة ثم كان شبرمة و ابى حنيفة، و ابن ابى ليلى، و حجاج بن ارطاة، ثم كسفيان الثوری، و مسعر والحسن بن صالح، و شريک، ثم وكيع، و حفص بن غياث، و ابن ادريس و خلق۔"(1)

میں کہتا ہوں: ایسا نہیں ہے بلکہ کوفے میں اس (قاضی ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ النہروانی) کے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیانی زمانے میں ایک جماعت اس سے بڑھ کر فقیہ گزری ہے، جیسے حضرت علقمہ، عبیدہ سلمانی رحمہما اللہ اور ایک جماعت پھر جیسے شعبی، ابراہیم نخعی، پھر حماد، حکم، مغیرہ ابن عبدالرحمٰن الحزومی رحمہ اللہ (۱۸۷ھ/۸۰۳ء) اور کئی اور پھر ابوشبر عبداللہ بن شبرمہ کوفی (۹۲-۱۴۴ھ/۷۰۰-۷۶۱ء) ابوحنیفہ، احمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ (۷۴-۱۴۸ھ/۶۹۳-۷۶۷ء) حجاج بن ارطاۃ (۱۴۵ھ/۷۶۲ء) پھر سفیان ثوری، مسعر، حسن بن صالح ہمدانی (۱۰۰-۱۶۷ھ/ ۷۱۸-۷۸۳ء) شریک بن عبد اللہ کوفی رحمہ اللہ (۹۵-۱۷۷ھ/۷۱۳-۷۹۴ء) پھر وکیع، حفص بن غیاث (۱۱۷-۱۹۴ھ/۷۳۵-۸۱۰ء) عبداللہ بن ادریس الکوفی رحمہ اللہ (۱۲۰-۱۹۲ھ/ ۷۳۸-۸۰۸ء) اور ایک خلق کثیر ہے۔

اصحاب الرای چوتھی صدی ہجری تک

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ چوتھی صدی ہجری تک فقہ حدیث سے آراستہ دقیق النظر اہل الرای کا سلسلہ برابر قائم رہا، انہیں حدیث میں بصیرت حاصل رہی، وہ اس کی طلب میں سفر کرتے اور معرفت حدیث میں اپنے ہم عصروں میں نمایاں رہے جو کہ حدیث و اثر اور فقہ و نظر دونوں میں ممتاز و ماہر ہوتے تھے۔ حافظ شمس الدین الذہبی، حافظ علامہ علی بن موسیٰ القمی النیسابوری رحمہ اللہ (المتوفی ۳۰۵ھ) کے تذکرے میں رقم طراز ہیں:

1 - سیر اعلام النبلاء: ۱۷/۱۰۲۔

"اہل الرأی حدیث میں صاحب بصیرت ہوتے تھے، وہ حدیث کی طلب میں سفر کرتے اور حدیث کی معرفت میں آگے رہتے تھے، لیکن اس زمانے (آٹھویں صدی ہجری) میں محدث نے درہم اور خطبے پر قناعت کی ہے، نہ وہ فقہ حدیث کو سمجھتا اور نہ حدیث کو یاد کرتا ہے، جیسے فقیہہ، فقہ سے چمٹا ہو، لیکن اسے اچھی طرح نہیں سمجھتا، حدیث وہ جانتا ہی نہیں کہ وہ کیا ہے، بلکہ اس کی نظر میں موضوع اور صحیح حدیث دونوں برابر ہیں، (وہ گھڑی ہوئی اور صحیح حدیث میں فرق کرنے سے قاصر ہے) اور وہ کبھی پایۂ اعتبار سے ساقط حدیث کا معارضہ صحیح حدیث سے کر بیٹھتا ہے۔ اور ہٹ دھرمی سے کہتا ہے کہ نا قابل اعتبار حدیث زیادہ صحیح اور قوی ہے۔"(۱)

مجتہدین اربعہ کی تصحیح احادیث کا حکم

یہاں یہ نکتہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ مجتہد جس حدیث سے دلیل و حجت پکڑتا اور استدلال کرتا ہے وہ حدیث اس کے نزدیک صحیح ہوتی ہے جیسے ہماری نظر میں "صحیح البخاری" کی حدیث صحیح ہوتی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲ھ) "تعجیل المنفعہ" میں حافظ محمد بن علی بن حمزہ دمشقی رحمہ اللہ المتوفی ۷۶۵ھ کی کتاب "التذکرہ" سے نقل کرتے ہیں کہ موصوف کا بیان ہے:

"ذكرت رجال الائمة الاربعة المقتدى بهم لأن عمدتهم في استدلالهم لمذاهبهم في الغالب على ماروره في مسانيدهم "و الموطا"، لمالك هو مذهبه الذى يدمن الله به أتباعه، و يقلدون مع أن لم يرو فيه إلا الصحيح عنده، و كذلك "مسند الشافعي" موضوع لأدلته على ماصح عنده من مروياته و كذلك "مسند أبي حنيفة" و "مسند احمد" فإنه اعم من ذلك كله و أشمل انتهىٰ من كلامه۔" (۲)

میں نے "کتاب التذکرہ" میں چاروں مذاہب کے پیشواؤں (امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد رحمہم اللہ) کے راویانِ سند کا تذکرہ قلمبند کیا ہے، اس لئے کہ ان

۱۔ ایضاً، ص ۲۳۶۔
۲۔ تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمۃ الاربعۃ: ص ۱۰۸۔

ائمہ اربعہ کے بیانِ مذاہب میں ان کے قابل اعتماد استدلال اکثر و بیشتر وہ حدیثیں ہیں جو ان کی سندوں سے ان کی اسانید میں منقول ہیں۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ''الموطا''، مالکی مذہب کی ایسی کتاب ہے جو اللہ کی فرمانبرداری اور شرعی احکام میں مالکی مذہب کے پیروؤں کی رہنمائی کرتی ہے اور ''الموطا'' میں جو آثار اور حدیثیں مروی ہیں وہ امام کی نظر میں صحیح ہیں۔ اسی طرح ''مسند الشافعی'' ہے کہ وہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل کی جامع ہے۔ اس میں ان کی صحیح مرویات کو پیش کیا گیا ہے۔ یہی حال ''مسند ابی حنیفہ'' کا ہے اور یہی خصوصیت ''مسند احمد'' کی ہے۔ یہ سب سے زیادہ جامع اور سب سے زیادہ عام ہے۔

مذکورہ بالا تصریح سے معلوم ہوا کہ حافظ حدیث میں حافظ محمد بن علی بن حمزہ الحسینی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ دونوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ امام مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اس کے یہاں صحیح ہونے کی دلیل ہے، ظاہری بات ہے بھلا مجتہد غیر صحیح حدیث سے بھلا کیونکر استدلال کرسکتا ہے۔

عہد تابعین میں فقہی ابواب پر سنن و آثار کا اولین ذخیرہ

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ''کتاب الآثار'' مجتہدین صحابہ وخیار تابعین اور فقہائے امصار سے مروی سنن و آثار کا مجموعہ، ابواب فقہ پر سب سے پہلا مرتب، قدیم ترین و معتبر ترین ذخیرہ ہے، اس کی عظمت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ مسلم لتہ کے دوسرے مجتہد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ''الموطاء'' کی تالیف میں اس سے استفادہ اور اس کا تتبع اور پیروی کی ہے۔

چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں،

"من مناقب ابی حنیفة التی انفرد بها انه اول من دوّن علم الشریعة ورتبه ابوابا ثم تبعه مالک بن انس فی ترتیب "الموطا" ولم یسبق اباحنیفة احد"۔(1)

1۔ تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ، ص ۳۶۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ان خصوصی مناقب میں سے جن میں وہ منفرد و یکتا ہیں، ایک یہ امر بھی ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو مرتب و مدون کیا اور اس کی (فقہی) ابواب پر ترتیب کی، پھر امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے "الموطا" کی ترتیب میں انہی کی پیروی کی اور اس امر میں امام ابوحنیفہؒ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں ہے۔

اور نامور محدث ابن حجر مکی رحمہ اللہ کے بقول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے "کتاب الآثار" کا انتخاب چالیس ہزار احادیث میں سے کیا ہے۔ (۱)

مسانید میں "مسند ابی حنیفہ" کا مقام

امام اعظم رحمہ اللہ کی احادیث و روایات کو بعض ایسے ائمۂ فن حفاظ نے جمع کیا جنہیں اپنی تالیفات میں موصوف کا تذکرہ کرنا بھی گوارا نہ ہوا، چنانچہ حافظ ابونعیم اصفہانی شافعی رحمہ اللہ المتوفی ۴۳۰ھ نے "کتاب حلیۃ الاولیاء" میں امام موصوف کا تذکرہ نہیں کیا اور اگر اپنی تصانیف میں ان کے متعلق کچھ لکھا بھی تو خلاف ہی لکھا، لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی "مسند" ترتیب دی اور ان کی احادیث و روایات کی خوب چھان بین کی مگر انہیں کوئی قابل گرفت بات نہیں مل سکی، حافظ ابن عدی جرجانی رحمہ اللہ المتوفی ۳۶۵ھ نے امام اعظم رحمہ اللہ کی "مسند" مرتب کی اول الذکر کی مسند زیور طبع سے آراستہ ہوکر بازار میں آ گئی ہے، اس میں ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ کو کوئی ایسی حدیث نہیں ملی، جسے وہ ضعیف یا موضوع قرار دیتے، ثانی الذکر کی "مسند" ابھی طبع نہیں ہوسکی۔ یہ بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی احادیث و آثار، روایات و مرویات کو بارگاہ الٰہی میں شرف قبول حاصل ہونے کی ایک دلیل ہے۔

مسانید کی تاریخ میں یہ خصوصیت و امتیاز بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی "مسند" کو حاصل ہے کہ اسے بہت سے حفاظ نے مرتب کیا ہے، چنانچہ حافظ ابن نقطہ حنبلی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۲۹ھ) "کتاب التقیید لمعرفۃ الرواۃ والسنن والمسانید" میں رقم طراز ہیں:

۱- مناقب الامام الاعظم: ۱/۹۵، امام ابن ماجہ اور علم حدیث، ۱۶۳۔

"وأما المسانيد، فمسند احمد بن حنبل، و مسند الشافعي و مسند أبي حنيفة جمعه غير واحد من الحفاظ." (۱)

اور البتہ مسانید تو مسند احمد بن حنبل اور مسند شافعی اور مسند أبی حنیفہ میں مسند أبی حنیفہ رحمہ اللہ کو بہت سے حفاظ حدیث نے جمع کیا ہے۔

یہ امر بھی امام اعظم رحمہ اللہ کی احادیث و آثار کے متداول و مقبول ہونے کی روشن دلیل ہے۔

روایات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ان کے تلامذہ اور ائمہ حفاظ کا اعتنا

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تلامذہ کا ان سے بکثرت حدیثوں کا سماع کرنا اور اپنی سند سے روایتیں بیان کرنا بھی تاریخ و سیرت کی کتابوں میں موجود ہے، چنانچہ حافظ محمد بن مطری رحمہ اللہ (۲۶۵-۳۶۰ھ) کے متعلق حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ "تاریخ نیسابور" میں رقم طراز ہیں:

"شیخ العدالة ومعدن الورع والمعروف بالسماع والرحلة والطلب على الصدق والضبط والاتقان." (۲)

موصوف صفت عدالت میں ممتاز اور کانِ ورع وتقویٰ تھے، سماع حدیث و طلب حدیث کی خاطر سفر کرتے، راست گوئی اور ضبط و اتقان کی صفت سے آراستہ تھے۔

موصوف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مرویات کو اپنی سند سے بیان کرتے تھے، چنانچہ ان کے شاگرد حافظ ابوالعباس احمد عقدة رحمہ اللہ (۲۴۹-۳۳۲ھ) کے متعلق علامہ سمعانی رحمہ اللہ المتوفی ۵۶۲ھ نے "کتاب الانساب" میں تصریح کی ہے کہ انہوں نے "احادیث ابی حنیفه" اور دوسرے محدثین کی حدیثوں کو موصوف کی سند سے بیان کیا ہے۔ (۳)

چوتھی صدی ہجری تک محدثین میں ائمہ فن کی حدیثوں کو یاد کرنے اور ان کا مذاکرہ کرنے کا سلسلہ قائم تھا، چنانچہ ان میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی حدیثوں کو یاد کرنے

۱- رفع الاعلام عن الائمة الاعلام: ۱۲/۱۔ ۲- الأنساب: ۳۲۵/۵، (ن مطری)۔ ۳- ایضاً۔

ان کا مذاکرہ کرنے اور ان سے برکت حاصل کرنے کا چلن بھی موجود تھا۔ چنانچہ حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ "معرفة علوم الحديث" کی انچاسویں نوع میں، اہل کوفہ کے تذکرے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نام کی صراحت موجود ہے۔[1]

مذکورہ بالا عنوان کے تحت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کی سند سے مروی سنن وآثار کے متعلق گیارہ باتیں آشکارا ہوتی ہیں:

۱۔ امام ابوحنیفہؒ تابعی ہیں۔
۲۔ معتبر وثقہ راوی ہیں۔
۳۔ ائمہ فن حدیث میں سے ہیں۔
۴۔ غیر معروف نہیں مشہور امام ہیں۔
۵۔ ان کی حدیثوں سے اعتنا کیا جاتا رہا ہے۔
۶۔ انہیں سنا جاتا تھا۔
۷۔ یاد کیا جاتا تھا۔
۸۔ جمع کیا جاتا تھا۔
۹۔ ان کا مذاکرہ کیا جاتا تھا۔
۱۰۔ ان سے برکت حاصل کی جاتی تھی۔
۱۱۔ چوتھی صدی ہجری ۱۰۰۹ھ تک اسلامی قلمرو کے مشرق ومغرب کے محدثین وحفاظ کا ان باتوں پر عمل جاری تھا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی "کتاب الآثار ومسانید" میں منقول احادیث وآثار کو یاد کیا جاتا اور ان کا مذاکرہ کیا جاتا تھا، اس لئے کہ "کتاب الآثار" ان کے تلامذہ میں متداول ومعمول بہا رہی ہے اس کی احادیث وآثار سے محدثین وحفاظ کے یہاں اعتناء پایا جاتا ہے، اور ائمہ فن کے یہاں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کی کتاب کو قبول عام حاصل تھا۔

۱۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص ۲۲۵، (ذکر النوع التاسع والاربعین من علوم الحدیث)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی روایات کے وجوہ ترجیح

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی روایات کے وجوہ ترجیح امور بالا کی روشنی میں حسب ذیل ہیں:

۱۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فہم وفراست اور ان کی اصابت رائے پر کم وبیش تمام علما کا اتفاق ہے۔

۲۔ حفاظ حدیث میں ان کا شمار ہے۔

۳۔ وہ نہایت ثقہ ومعتبر راوی ہیں۔

۴۔ ائمہ فن سے انہیں احادیث کا بکثرت سماع حاصل ہے۔

۵۔ ان کی راویان حدیث کے مراتب پر گہری نظر ہے۔

۶۔ وہ خیار تابعین سے روایت کرتے ہیں۔

۷۔ ان کی سند میں زیادہ تر فقہائے امصار ہیں، جن کا مرتبہ ہر اعتبار سے نہایت بلند ہے۔

۸۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے زمانے کی خیر وبرکت اور بہتر ہونے کی مہر صداقت زبان رسالت سے ثابت ہے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے:

"خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ......الخ"(۱)

زمانوں میں سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر ان کا ہے جو میرے بعد آئیں گے۔

۹۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شیوخ واساتذہ کو تقدم زمانی حاصل ہے اس لئے کہ ان کا تعلق خیر القرون سے ہے۔

۱۰۔ اور انہیں تقدم علمی بھی حاصل ہے، اس لئے کہ ان کی سند بھی عالی ہے۔

۱۱۔ ان کے شیوخ واساتذہ سیادت وقیادت علمی سے ممتاز ہیں۔

۱۔ ترمذی: ۴/۱۳۸، رقم ۲۳۰۳۔

۱۲۔ صحاح کی زیادہ تر حدیثوں کا دارومدار ان کے شیوخ کی اسانید پر ہے۔

۱۳۔ شیوخ حدیث کی سند اور فقہاء کی سند سے مروی حدیث کی ترجیح کا مسئلہ اصول حدیث کی کتابوں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد وکیع بن الجراح کی سند سے آیا ہے[1] اور شیوخ کے مقابلہ میں فقہاء کی سند والی حدیث کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مروی حدیث کو ترجیح حاصل ہونا چاہئے۔

۱۴۔ ائمہ فن جرح وتعدیل کا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے سند پیش کرنا اس فن میں ان کی مہارت فن اور دقت نظر کی روشن دلیل ہے۔

۱۵۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ذخیرۂ سنن وآثار کا شرقاً وغرباً حفظ ومذاکرہ۔

۱۶۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث بیان کرنے کی شرائط سخت ہیں۔

الف۔ معرفت حدیث۔

ب۔ حفظ۔

ج۔ حدیث کی سماعت درست۔

د۔ فراست وفہم بھی صحیح ہو۔

ہ۔ اداء بھی سماعت کے مطابق ہو۔[2]

یہی وجوہ واسباب ہیں جن کی بنا پر امام موصوف سے زیادہ حدیثیں مروی نہیں ہیں، چنانچہ سید الحفاظ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

"کان ابو حنیفة ثقة لا یحدث الّا بما یحفظ و لا یحدث بما لا یحفظ"[3]

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ تھے جو حدیث انہیں حفظ ہوتی صرف وہی بیان کرتے اور جو محفوظ نہ ہوتی اسے بیان نہیں کرتے تھے۔

۱۷۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام فن "کتاب الآثار" کے مصنف ہیں، حدیث کی کتاب کی تصنیف، تقرب الٰہی کا وسیلہ ہے۔

۱۔ معرفۃ علوم الحدیث: ص ۱۱۔ ۲۔ البحر الرائق فی اصول الفقہ: ۱/۳۸۲۔۳۸۳، سیر اعلام النبلاء: ۶/۴۰۱۔

۳۔ تاریخ بغداد: ۱۳/۴۱۹، الکفایہ فی علم الروایہ للخطیب: ص ۲۳۱۔

۱۸۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مقبول "کتاب الآثار" کے امام ہیں، ان کی پیروی اور تقلید کی جاتی ہے، ایسے امام سے روایت تقریب الٰہی کا ذریعہ ہے۔

دسویں صدی ہجری میں مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا تنقیدی جائزہ

دسویں صدی ہجری میں شیخ عبدالوہاب شعرانی شافعی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۷۳ھ) سے جیسے بالغ نظر محقق نے مذاہب اربعہ کا تنقیدی جائزہ لیا ہے، موصوف کو اس امر کا اعتراف ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب "قرآن وسنت اور آثار" کے مطابق ہے، چنانچہ امام موصوف رقمطراز ہیں۔

"وحاشاہ رضی اللہ عنہ من القول فی دین اللّٰہ بالرای الذی لایشھد ظاھر کتاب ولاسنۃ...وقد تتبعت بحمدللّٰہ احوالہ واقوال اصحابہ لمّا الفت کتاب ادلۃ المذاھب فلم أجد قولاً من اقوالہ، واقوال أصحابہ إلّا وھو مستند الٰی آیۃ أو حدیث، أواثر، أوإلٰی مفھوم ذلک، أو إلی قیاس صحیح علی اصل صحیح"۔(۱)

اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو دین اسلام میں ایسی رائے سے جس کا ظاہر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شاہد موجود نہ ہو، پیش کرنے سے بچایا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے بحمد اللہ میں نے جب ادلۃ المذاہب پر کتاب مرتب کی تو میں نے ان کے اور ان کے شاگردوں کے اقوال میں ہر قول کو دیکھا تو انہیں ۱۔آیت قرآنی، ۲۔حدیث اور اثر، ۳۔یا ان کے مفہوم، ۴۔یا قیاس صحیح کی طرف جو اصل صحیح پر مبنی ہو، پایا ہے۔

اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ کسی امام فن کی دو، چار، چھ روایت پر کلام ہو یا اس سے دو، چار، دس غلطیاں ہو جائیں تو اس سے نہ اس کے علم پر حرف آتا ہے نہ اس کی علمی شان میں کوئی فرق آتا ہے، اساطین علم اور ائمہ فن سے بھی دو، چار، دس جگہ غلطیاں ہو جاتی ہیں، اس سے ان کی علمی قدر ومنزلت اور جلالت شان میں کوئی کمی واقع

۱۔المیزان الکبری: ۱/۶۳۔

نہیں ہوتی۔ بھول چوک بڑے بڑوں سے ہوتی ہے، چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ، حسین المعلم رحمہ اللہ (المتوفی ۱۵۰ھ) کے تذکرے میں رقمطراز ہیں:

"لیس من شرط الثقة أن لا یغلط أبداً، فقد غلط شعبة و مالک و ناھیک بھما ثقة ونبلا وحسین المعلم ممن و ثقه یحییٰ بن معین و من تقدم مطلقاً وھو من کبار آئمة الحدیث۔"(۱)

ثقہ کی شرط یہ نہیں ہے کہ وہ کبھی غلطی نہ کرے، شعبہ رحمہ اللہ سے غلطی ہوئی، مالک رحمہ اللہ سے بھول چوک ہوئی ہے، اور تمہارے لئے ان دونوں کی ثقاہت، شرافت وعظمت کے لئے یہی بات کافی ہے۔

حسین المعلم رحمہ اللہ کی توثیق یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے کی ہے اور اس سے پہلے کے علماء نے اس کی مطلقاً توثیق کی ہے اور وہ کبار ائمہ حدیث میں سے ہیں۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ، حافظ ابوداؤد الطیالسی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۰۴ھ) کی فروگزاشت اور بھول چوک کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"سلیمان بن داؤد، ابوداؤد الطیالسی ثقة ماعلمت به بأساً وقداخطاء فی احادیث فکان ماذا۔"(۲)

سلیمان بن داؤد رحمہ اللہ، ابوداؤد الطیالسی رحمہ اللہ ثقہ ہے، مجھے موصوف کے متعلق کسی خرابی کا علم نہیں، بلاشبہ کچھ حدیثوں میں ان سے بھول چوک ہوئی ہے، تو اس سے کیا ہوگیا، بھول چوک میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔

شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ، علی بن فضیل رحمہ اللہ کے تذکرے میں فضیل بن عیاض رحمہ اللہ (المتوفی ۱۸۷ھ) کے متعلق رقم طراز ہیں:

"قلت: إذاکان مثل کبراء السابقین الأولین قدتکلم فیھم الروافض والخوارج، و مثل الفضیل یتکلم فیه فمن الذی یُسلم من السنة

۱۔ سیر اعلام النبلاء: ۶/۳۴۶۔ ۲۔ رسالة فی الرواة الثقات المتکلم فیھم بمالا یوجب ردھم: ص۸۹۔

الناس لكن إذا ثبتت امامة الرجل وفضله۔ لم يضره ماقيل فيه،(1)

میں کہتا ہوں جب سابقین اولین (حضرت ابوبکر، عمر، عثمان وعلی رضی اللہ عنہم) میں رافضیوں اور خارجیوں نے کلام کیا، اسی طرح فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ جو سنت کی اتباع کرتے تھے متقی تھے ان کے بارے میں کلام کیا گیا ہے تو ان لوگوں کی زبانوں سے کون بچ سکتا ہے؟ لیکن ایسے عالم کا جس کی امامت وفضیلت اور ورع وتقویٰ ثابت ہو، قیل وقال اور جرح وقدح سے کچھ نہیں بگڑتا۔

جرح وقدح میں معیار

جرح وقدح میں معیار عدل وانصاف کی ترازو ہے، اس کے باٹ امامت وتقویٰ ہیں، انصاف کی ترازو میں تو لو اس ترازو میں جو پورا اترے لوگوں کی قیل وقال اور جرح وقدح سے ان کا کچھ نہیں بگڑتا ہے، اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ اور دیگر ائمہ پر جرح وقدح پر علماء توجہ نہیں کرتے اور نہ ان سے اعتناء کرتے ہیں۔

کسی محدث کی حدیثوں کو نظر انداز کرنے کا معیار

کسی محدث کی حدیثوں کو نظر انداز کرنے کا معیار یہ ہے کہ وہم حد فاحش تک پہنچے، اس طرح درست اور صحیح حصہ بھی مغلوب ہو کر رہ جائے تو پھر وہ چھوڑنے کے لائق ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ابو حاتم بستی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۵۴ھ) حافظ عبدالملک العرزمی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۵ھ) کے تذکرے میں رقم طراز ہیں:

"كان عبدالملك من خيار أهل الكوفة، و حفاظهم، و الغالب على من يحفظ ويحدث من حفظه ان يهم، وليس من الإنصاف ترك حديث شيخ ثبت، صحت عدالته، لو سلكنا هذا المسلك للزمنا ترك حديث الزهري، و ابن جريج، و الثوري، و شعبة، لأنهم أهل حفظ و إتقان و كانوا يحدثون من

۱۔ سیر اعلام النبلاء، ۸/۴۴۸۔

حفظهم، ولم یکونوا معصومین، حتٰی لایهموا فی الروایات۔ بل الاحتیاط و الأولی فی مثل هذا قبول مایروی الثبت من الرویات، ترک ماصح انه وهم فیه، مالم یفحش ذالک منه، حتی یغلب علیٰ صوابه، فاذا کان کذالک، استحق الترک، حینئذ"[1]

عبدالملک بن ابی سلیمان عرزمی رحمہ اللہ اہل کوفہ میں بہترین محدثین اوران کے بہترین حفاظ حدیث میں سے تھے، جس پر حفظ کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ اپنی یادداشت وحفظ سے حدیث بیان کرتا ہے، (تو اسکو کبھی بلا اختیار) وہم لاحق ہو جاتا ہے، اور یہ انصاف کی بات نہیں

کہ ایسے متقن شیخ کی حدیث کو جس کی عدالت صحیح ہو، اس سے روایات میں کچھ وہم واقع ہو جائے تو اس کی حدیث کو چھوڑ دیا جائے، اگر ہم اس روش پر چلنے لگے تو ہم پر لازم ہو جائے گا کہ ہم زہری، ابن جریج، ثوری اور شعبہ رحمہم اللہ کی حدیثوں سے دست بردار ہو جائیں، اس لئے کہ وہ اہل حفظ واتقان تھے، اور وہ اپنے حافظے کے بل بوتے پر حدیثیں بیان کرتے تھے، وہ معصوم نہ تھے کہ روایات میں ان سے وہم نہ ہوتا ہو، بلکہ ایسی صورت میں احتیاط اور بہتر یہ ہے کہ ایسے متقن کی روایات کو قبول کیا جائے، اور اس کی ان روایات کو چھوڑ دیا جائے، جن میں صحیح طریقے سے یہ ثابت ہو جائے کہ ان میں وہم ہوا ہے اور اس سے وہم حد فاحش تک نہ پہنچے کہ اس کا درست اور صحیح حصہ بھی مغلوب ہو کر رہ جائے جب ایسا ہو جائے تو اس وقت وہ چھوڑنے کے لائق ہو جاتا ہے۔

یہ معیار ہے جس پر کسی محدث کو اور اس کی روایات کو نظر انداز کیا جاتا ہے، چنانچہ محقق عبدالعزیز بخاری رحمہ اللہ (المتوفی ۷۳۰ھ) رقمطراز ہیں:

"لیس کل من اتّهم بوجه ساقط الحدیث مثل عبداللّٰه بن لهیعه، والحسن بن عمارة، و سفیان الثوری، وغیرهم، وانه قدطعن فی کلّ واحد منهم بوجه، ولکن علو درجتهم فی الدین و تقدم رتبتهم فی العلم و الورع منع من قبول

۱۔ کتاب الثقات: ۷/۹۷۔۹۸، الانساب: ۴/۱۷۸۔

ذلک الطعن فی حقهم، ومن رد حدیثهم به، اذلو رُد حدیث امثال هؤلاء بطعن کلّ أحد، انقطع طریق الروایة واندرس الأخبار، إذلم یوجد بعد الانبیاء علیہم السلام من لایوجد فیہ ادنیٰ شئی ممایجرح بہ إلا مَن شاء اللّٰہ تعالیٰ، فلذٰلک لم یُلتفت إلی مثل ھذا الطعن ویحمل علی أحسن الوجوہ، وھو قصد الصیانة کما ذکر۔ (۱)

ہر وہ عالم جسے کسی وجہ سے متہم کیا گیا اس کی روایت ساقط الاعتبار نہیں، جیسے عبداللہ بن لہیعہ، حسن بن عمارہ اور سفیان ثوری رحمہ اللہ وغیرہ، ان میں سے ہر ایک پر کسی نہ کسی وجہ سے طعن وحرف گیری کی گئی ہے، لیکن دین میں ان کے بلند مراتب اور علم وتقویٰ میں ان کے مرتبہ ومقام کی عظمت، ان کے حق میں ان کے طعن وتشنیع کو قبول کرنے اور ان کی حدیث کو رد کرنے سے مانع ہے۔ اس لئے کہ اگر ان جیسے بلند پایہ حفاظ ومحدثین کی حدیث کو ہر ایک کی طعن وتشنیع سے رد کیا گیا تو روایت کا راستہ بند ہو جائے گا اور سلسلۂ روایت ہی مٹ جائے گا، اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد شاذ ونادر کوئی ہو جس پر ادنیٰ سی جرح بھی نہ کی گئی ہو، اس لئے اس جیسے طعنوں کی طرف توجہ نہیں کی گئی اور اس کا بہت اچھا محمل نکالا گیا، اور اس قسم کے طعن سے ان کی حفاظت کرنا لازم ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی چند حدیثوں پر ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۶۵ھ) اور دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۸۵ھ) کو اعتراض ہے۔

اولاً علماء نے ان کے جواب دیئے ہیں۔ ثانیاً پانچ دس حدیثوں پر کلام ہر مجتہد اور امام فن کے یہاں موجود ہے، کوئی امام بھی معصوم نہیں، آخر امام اعظم بشر تھے، نبی تو نہیں کہ ان سے خطا نہ ہو۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت پرستوں کی مخالفت کے عناصر اربعہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت پرست محدثین کی مخالفت کے مندرجہ ذیل چار عناصر ہیں:

۱۔ کشف الاسرار: ۳/۳۷۔

۱۔ رائے وقیاس کا استعمال،
۲۔ صحیح سند سے آئی ہوئی حدیثوں کا رد،
۳۔ ارجاء کا قول،
۴۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فطانت وذہانت۔ (سبب حسد)

۱۔ رائے وقیاس کا استعمال

مذکورۂ بالا عناصر اربعہ کا تحقیقی جائزہ حافظ مغرب علامہ ابن عبدالبر قرطبی رحمہ اللہ ۴۶۳ھ نے لیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

''اصحاب الحدیث، ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی برائی کرنے میں حدود سے باہر نکل گئے ہیں، ان کے یہاں اس کی وجہ یہ ہے کہ؛ موصوف نے آثار میں رائے اور قیاس کو داخل کیا اور رائے وقیاس کا اعتبار کیا، حالانکہ بیشتر اہل علم کہتے ہیں کہ:''جب اثر وحدیث صحیح ثابت ہو جائے تو قیاس اور نظر باطل ہو جاتی ہے''۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اثر وحدیث کو رد کرنا اس محتمل تاویل کی وجہ سے ہے جو اخبار آحاد میں پائی جاتی ہیں، حالانکہ امام موصوف سے پہلے بہت سے اہل علم یہ کام سرانجام دے چکے ہیں اور ابوحنیفہ رحمہ اللہ انہی کی روش پر چلے ہیں جو ان کی طرح رائے کے قائل تھے، اسی قسم کی تمام تر باتیں جن کی نسبت ان کی طرف کی جاتی ہے۔ وہ موصوف کے اہل بلد (فقہاء) جیسے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کی پیروی کا ثمرہ ہیں، مگر بات اتنی ہے کہ موصوف اور ان کے شاگرد، نت نئے پیش آنے والے مسائل کو حل کرنے میں بہت زیادہ منہمک رہے ہیں۔ اور ان مسائل میں انہوں نے قیاس واستحسان سے جواب دیا، اس لئے اس میں سلف کا اختلاف زیادہ ہوا اور یہ ان کے مخالفین کے نزدیک نئی اور بری بات تھی۔ اور اہل علم میں سے میرے علم میں کوئی ایسا نہیں جس سے:

۱۔ آیت میں تاویل منقول نہ ہو، یا

۲۔ سنت میں اس کا کوئی مذہب ہے تو اس مذہب کی وجہ سے اس نے دوسری سنت کو مناسب تاویل سے رد نہ کیا ہو یا

۳۔ اس کے متعلق نسخ کا دعویٰ نہ کیا ہو، مگر بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ بات دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ پائی گئی اور دوسروں میں یہ بات کم پائی گئی ہے۔(۱)

تفریع مسائل میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا نقطۂ نظر

پیش آنے والے مسئلوں کا حل پہلے نکالنا چاہئے تاکہ وقت پر کسی طرح کی زحمت نہ ہو، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ المتوفی ۱۱۷ھ کوفہ آئے اور" دار ابی بردہ " میں ٹھہرے، ایک مجلس میں موصوف نے حلال وحرام کے مسئلے پوچھنے کی اجازت دی، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: " ایک عورت کی شادی ہوئی، شوہر برسوں سے غائب ہے، اس نے سمجھا کہ وہ مرگیا ہے، دوسری شادی کی پھر پہلا خاوند آگیا" آپ اس کے مہر کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ قتادہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا ایسا ہوا ہے، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: نہیں، فرمایا: فرضی مسائل کیوں پوچھتے ہو؟ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"إنا نستعد للبلاء قبل نزوله، فاذا وقع، عرفنا الدخول فيه والخروج منه۔"(۲)

امتحان کے لئے ہمیں تیار رہنا چاہئے، تاکہ جب وہ آئے تو ہم اس میں پھنسنا اور اس سے نکلنا جانتے ہوں۔

اس ترقی یافتہ دور میں منصوبہ بندی زندگی کے ہر شعبے میں کامیابی کا راز ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ دوسری صدی ہجری کے نصف اول میں بھی اس پر عمل پیرا تھے۔

۴۔ امام مالک رحمہ اللہ کے یہاں صحیح احادیث کا رد

اور یحییٰ بن سلام رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ: میں نے عبداللہ بن غانم رحمہ اللہ سے ابراہیم بن اغلب رحمہ اللہ (۱۴۰۔ ۱۹۶ھ/ ۷۵۷۔ ۸۱۲ء) کی مجلس میں سنا، وہ لیث بن

۱۔ جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/۱۴۸۔ ۲۔ تاریخ بغداد: ۱۳/۳۴۸، اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ، ص ۳۶۔

سعد رحمہ اللہ (۹۴۔۱۷۵ھ/۷۱۳۔۷۹۱ء) سے نقل کرتے تھے، کہ لیث کا بیان ہے کہ: میں نے امام مالک بن انس رحمہ اللہ کے مسائل کو شمار کیا، تو میں نے پورے ۷۰ رستر مسلوں میں انہیں رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف پایا، یہ وہ مسائل ہیں جن میں امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی رائے سے فتویٰ دیا، لیث رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ: ''میں نے اس سلسلے میں امام مالک رحمہ اللہ کو لکھا تھا'' انہوں نے قبول نہیں کیا۔ (1)

ہر مجتہد ثقہ راوی کی ہر روایت کو قبول نہیں کرتا، امام مالک رحمہ اللہ نے ستر روایتوں کو قبول نہیں کیا، جیسا کہ آپ کو امام لیث رحمہ اللہ کی تصریح سے معلوم ہوا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں صحیح حدیثوں کا رد

ہر مجتہد کے یہاں کچھ اصول ہوتے ہیں، ان اصول سے جب کوئی صحیح حدیث ٹکراتی ہے، وہ اس حدیث کو رد کرتا ہے، یہ بات امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں بھی موجود ہے۔ چنانچہ فقیہ ابواسحاق الشیرازی رحمہ اللہ المتوفی ۴۷۶ھ فرماتے ہیں کہ:

معتبر و ثقہ راوی جب روایت کرے تو اس کی صحیح روایت کو پانچ باتوں کی وجہ سے رد کیا جاتا ہے۔

۱...... ایک یہ کہ جن باتوں کو عقل ضروری قرار دیتی ہے، ان کی وہ مخالفت کرتی ہو، اس بات سے اس کا باطل ہونا معلوم ہو جاتا ہے، اس لئے کہ شریعت عقل و دانش کی باتوں کو درست قرار دینے کے لئے آئی ہے، خلاف عقل باتوں کے لئے نہیں آئی ہے۔

۲...... دوسری یہ کہ وہ ثقہ کی روایت جو کتاب اللہ کے صریح حکم یا سنت متواترہ کے صریح خلاف ہو۔ اس بات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے یا وہ منسوخ ہے۔

۳...... تیسری یہ کہ ثقہ کی وہ روایت اجماع کے مخالف ہو یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ وہ روایت منسوخ ہے، اس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں ہے، اس لئے کہ یہ درست

۱ - جامع بیان العلم، ایضاً: ۲/۱۴۹۔۱۵۰۔

نہیں کہ وہ صحیح ہو منسوخ نہ ہو، اور امت مسلمہ اس کے خلاف اجماع کر بیٹھے۔

۴...... چوتھی بات یہ ہے کہ ثقہ راوی ایسی روایت میں منفرد ہو، جس کا جاننا سب پر ضروری ہے، یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ یہ ایک بے بنیاد بات ہے، اس لئے یہ کیسے درست ہوسکتا ہے کہ اس کی اصل و بنیاد ہو اور عظیم خلقت میں اس کا علم صرف اس کو ہی ہو اور کسی اور کو نہ ہو۔

۵...... پانچویں بات یہ کہ ثقہ راوی ایسی روایت میں منفرد ہو جسے عادۃً اہل تواتر سب ہی نقل کرتے ہوں، تو وہ روایت قابل قبول نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ درست نہیں کہ اس طرح کی روایت میں یہ منفرد ہوگا۔ (۱)

ان حقائق کی روشنی میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر صحیح حدیث کے رد کرنے کا الزام دھرنا کیا انصاف کہا جاسکتا ہے۔

اور علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: "علمائے امت میں کسی عالم کو میں ایسا نہیں پاتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو ثابت کرتا ہو اور

۱۔ اس جیسی حدیث سے اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کئے بغیر اسے رد کرتا ہو، یا

۲۔ اجماع کے خلاف ہونے کا، یا

۳۔ ایسے عمل کے مخالف ہونے کا جس کی پیروی لازم ہے، یا

۴۔ اس کی سند میں طعن کا دعویٰ کئے بغیر حدیث کا رد کرتا ہو، اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کی عدالت ہی ساقط ہو جائے گی چہ جائے کہ اس کو امام بنایا جائے۔ اس کے ساتھ اس پر فسق کا گناہ بھی آئے گا۔ (۲)

۳۔ امام اعظم رحمہ اللہ پر ارجاء کا الزام

وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ارجاء کے قائل ہونے کی وجہ سے بھی دشمنی رکھتے ہیں، حالانکہ اہل علم میں بہت سے علماء کی طرف ارجاء کی نسبت ثابت ہے، لیکن کسی نے اُن کی

۱۔ کتاب اللمع فی اصول الفقہ: ۴۲/۔ ۲۔ جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/ ۱۴۸۔

نسبت نازیبا و نامناسب باتیں نقل کرنے کی طرف توجہ نہیں کی، جیسی کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بابت نقل کرنے میں دلچسپی لی ہے، اس لئے کہ انہیں امامت کا رتبہ حاصل ہے۔ مگر انہیں یہ درجہ حاصل نہیں۔ (۱)

یہاں یہ بات سمجھنی چاہئے کہ دل سے اللہ تعالیٰ کو لائق عبادت جاننا اور حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا بندہ و رسول ماننا اور زبان سے اس امر کا اقرار کرنا ایمان ہے، اس کا ثمرہ و نتیجہ جہنم کی آگ سے نجات ہے۔

ایمان کی مذکورہ بالا تعریف سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ایمان کا تعلق قلب سے ہے، جوارح (ہاتھ پاؤں) سے جو کام انجام پاتا ہے، اسے عمل کہا جاتا ہے، ایمان اور عمل دونوں جداگانہ چیزیں ہیں، لہٰذا ہر ایک کا حکم بھی مختلف ہوگا۔

یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ عمل کے چھوٹ جانے سے ایمان کا اس حیثیت سے کچھ نہیں بگڑتا کہ وہ اسے دائرۂ ایمان سے خارج کرتا ہو؛ دلیل اس بات کی یہ ہے کہ قرآن گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے کو "مومن" کے لفظ سے یاد کرتا ہے چنانچہ آیۂ شریفہ میں ارشاد ہے:

"وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا" (۲)

اور اگر دو فریق مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں ملاپ کراؤ۔

قتال بلاشبہ کبیرہ گناہ ہے لیکن قرآن کریم نے ان باہم لڑ پڑنے والوں کو "مومنین" کے لفظ سے یاد کیا ہے، اسلام سے خارج نہیں کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور عمل یہ دونوں مختلف چیزیں ہیں، ایک دوسرے کا جز نہیں ہیں، عمل کو اگر ایمان کا جز مانا جائے تو لازم آئے گا کہ جو شخص اعمال کا پابند نہ ہو، وہ شخص مومن بھی نہ ہو۔

معتزلہ و خوارج اس کو جزء ایمان سمجھتے ہیں، اس لئے خوارج ایسے شخص کو کافر کہتے ہیں۔ معتزلہ ایسے شخص کو نہ کافر کہتے ہیں نہ مومن مانتے ہیں۔

۱- جامع بیان العلم: ۱۴۸/۲۔ ۲- سورۃ الحجرات: آیت ۹۔

اہل سنت والجماعت کہتے ہیں: جو شخص ایمان رکھتا ہے اور فرائض اس سے ترک ہو جاتے ہیں وہ مسلمان ضرور ہے لیکن گنہگار مسلمان ہے، اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے اسے سزا دے یا معاف کرے، ایمان و عمل کے درمیان فرق کی وجہ سے محدثین امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے نامور شاگرد امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، حسن بن زیاد رحمہم اللہ وغیرہ کو مرجئہ کہتے ہیں۔ ارجاء کے معنی تاخیر کے ہیں، اعمال میں کوتاہی کرنے والوں اور فرائض کو پابندی سے ادا نہ کرنے والوں کے معا[illegible] آخرت میں اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں اور فی الفور اسکے جہنمی ہونے کا حکم نہیں لگ[illegible] لئے محدثین ان پر ارجاء کا الزام لگاتے ہیں اور انہیں مرجئہ کے نام سے یاد کرتے ہیں، جو اس قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں، وہ مرجئہ مرحومہ کہلاتے ہیں اور جو فی الفور حکم لگا کر اسے جہنمی کہتے ہیں، انہیں مرجئہ ملعونہ اور مرجئہ ضالہ کہا جاتا ہے۔ ان سے اہل سنت والجماعت کا کوئی تعلق نہیں، محدثین کا ارجاء کی تہمت سے در پردہ اشارہ اس طرف ہوتا ہے۔

محدثین کرام کا مذہب ایمان و عمل میں تفریق کا نہیں ہے، چنانچہ حافظ عبدالرزاق بن ہمام رحمہ اللہ صاحب المصنف (۱۲۶۔۲۱۲ھ) کا بیان ہے:

"سمعت مالكاً، والاوزاعي، وابن جريج، والثوري و معمراً يقولون: الإيمان قول و عمل، يزيد و ينقص۔"(1)

میں نے امام مالک، اوزاعی، ابن جریج، سفیان ثوری اور معمر رحمہم اللہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ایمان قول و عمل کا نام ہے۔ یہ بڑھتا گھٹتا ہے۔

اس لئے بھی یہ حنفیہ پر طعن کرنے سے نہیں چوکتے۔

ائمہ اسلام اور علماء خراسان میں سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد، حافظ و محدث خراسان ابراہیم بن طہمان نیشاپوری رحمہ اللہ المتوفی ۱۶۳ھ جو صحاح ستہ کے راویوں میں ہیں، ان کے متعلق جب سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ المتوفی ۱۹۸ھ نے اپنے شاگرد ابو الصلت عبدالسلام ہروی رحمہ اللہ المتوفی ۲۳۶ھ سے کہا:

۱۔ سیر اعلام النبلاء: ۲۵۲/۷، (تذکرہ سفیان ثوری)۔

"ماقدم علینا خراسانی أفضل من أبی الرجاء عبداللّٰہ بن واقد الهروی۔"

ہمارے پاس کوئی خراسانی ابوالرجاء عبداللہ بن واقد الہروی رحمہ اللہ المتوفی بعد ۱۶۰ھ سے زیادہ بڑھ کر عالم نہیں آیا۔

ابوالصلت رحمہ اللہ نے عرض کی: ابراہیم بن طہمان بھی آئے تھے، ابن عیینہ رحمہ اللہ نے کہا "کان ذاک مرجئاً" میں سے تھا، پھر ابوالصلت نے کہا:

"لم یکن إرجاء هم هذا المذهب الخبیث بأنّ الایمان قول بلاعمل وان ترک العمل لایضر بالإیمان، بل کان إرجاؤهم أنهم یرجون لأهل الکبائر الغفران رداً علی الخوارج وغیرهم، الذین یکفّرون الناس بالذنوب۔"

ان کا ارجاء اس گمراہ اور خبیث مذہب کا جیسا نہیں تھا کہ، ان کا (عقیدہ) ایمان بلا عمل ہے کہ ترک عمل ایمان کو ضرر نہیں پہنچاتا، بلکہ ان کا ارجاء یہ ہے کہ وہ کبیرہ گناہ کرنے والے گنہگاروں کی مغفرت کا معاملہ آخرت میں اللہ تعالیٰ پر مؤخر رکھتے ہیں، وہ چاہے انہیں سزا دے اور چاہے نہ دے۔ یہ خوارج و معتزلہ وغیرہ پر رد ہے۔

جو گنہگار لوگوں کو ان کے گناہوں کے سبب کافر کہتے، اور مسلمان نہیں سمجھتے، ان سے جنگ کرتے ہیں، یہ عقیدہ مرجئہ ضالہ (گمراہ) کا ہے۔ اور جس عقیدہ کا اوپر ذکر آیا ہے وہ مرجئہ مرحومہ کا ہے، یہ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

محدث و حافظ خراسان ابراہیم بن طہمان مکی رحمہ اللہ شاگرد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا تذکرہ اوپر آیا ان کے علم وفضل اور حدیث میں ان کے مقام کا اندازہ امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ المتوفی ۲۳۷ھ کے اس قول سے کیا جا سکتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"کان صحیح الحدیث، کثیر السماع، ماکان بخراسان اکثر حدیثاً منه وهو ثقة۔"[1]

ابراہیم بن طہمان رحمہ اللہ کے پاس صحیح حدیثیں تھیں، موصوف نے کثرت سے سماع کیا تھا، خراسان میں ان سے زیادہ کسی کے پاس حدیثیں نہیں تھیں۔

۱ - سیر اعلام النبلاء: ۳۸۰/۷۔

تقویٰ و پرہیزگاری میں ان کے مرتبے کا اندازہ امام ابوزرعہ رحمہ اللہ کے بیان سے کیا جا سکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"کنت عند احمد بن حنبل فذکر إبراهيم بن طهمان، وکان متکئاًمن علة فجلس، وقال: لاینبغی أن یذکر الصالحین فیتکا"

میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ابراہیم بن طہمان رحمہ اللہ کا ذکر آیا امام احمد رحمہ اللہ (بیماری کی وجہ سے) تکیے کے سہارے سے بیٹھے تھے، تو سہارا چھوڑ کر ادب سے بیٹھ گئے اور فرمایا: یہ مناسب نہیں کہ بزرگوں کا ذکر آئے اور آدمی تکیے کے سہارے بیٹھا رہے۔

یہ تھا ابراہیم بن طہمان رحمہ اللہ کا علم وفضل اور ورع وتقویٰ میں مقام، اب ذرا ان کے متعلق محدثین کے ارجاء کے اقوال بھی سنئے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"کان مرجنا شدید اعلی الجهمية"

یہ ارجاء کا قائل تھا، جہمیہ کی تردید میں بہت سخت تھا۔ ابو حاتم رازی رحمہ اللہ المتوفی ۲۷۷ھ فرماتے ہیں:

"شیخان بخراسان مرجئان - ابوحمزه السکری و ابراهيم بن طهمان و هماثقتان"

خراسان میں دو شیخ الحدیث ہیں، اور وہ مرجئہ میں سے ہیں، ابوحمزہ سکری اور ابراہیم بن طہمان رحمہما اللہ اور یہ دونوں ثقہ ہیں۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ المتوفی ۳۸۵ھ فرماتے ہیں:

"ثقة إنما تكلموا فيه للإرجاء"

یہ ثقہ ہے، اور ارجاء کی وجہ سے محدثین نے اس میں کلام کیا ہے۔

نامور مجتہدین اور ائمہ حدیث کا تعلق مرجئہ اہل سنت والجماعت سے ہے۔ حافظ علامہ احمد بن علی البیکندی السلیمانی رحمہ اللہ المتوفی ۴۰۴ھ نے جب امام سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ رحمہما اللہ کے شیخ علامہ حافظ مسعر بن کدام رحمہ اللہ (جو حدیث میں حجت مانے

جاتے تھے، اور جنہیں پختگی و اتقانِ علم کی وجہ سے مصحف کہا جاتا تھا۔) کی اور دوسرے ائمہ مجتہدین اور حفاظِ حدیث کی نسبت فرمایا کہ وہ مرجئہ میں سے تھے تو علامہ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لاعبرة بقول السليماني كان من المرجئة مسعر وحماد بن أبي سليمان، و النعمان، و عمرو بن مرة، و عبدالعزيز بن رُوَّاد، وابو معاوية، و عمر بن زر...... [1] و سرد جماعة، قلت الارجاء مذهب لعدة من جلة العلماء ولا ينبغي التحامل على قائله۔ [2]

حافظ السلیمانی رحمہ اللہ کے اس قول کا کہ: (ع) مسعر (۱۵۲ھ/۷۶۹ء) حماد بن ابی سلیمان (۰۰۔۱۲۰/۰۰۔۷۳۸ء)، نعمان (۸۰۔۱۵۰ھ/۶۹۰۔۷۶۷ء)۔ عمرو بن مرہ (۱۱۶ھ/۷۳۴ء)۔ عبدالعزیز بن ابی رواد (۰۰۔۱۵۹ھ/۰۰۔۷۷۶ء)۔ ابو معاویہ (۰۰۔۱۹۵ھ/۰۰۔۸۱۱ء) ں۔ عمر بن ذر رحمہ اللہ (۰۰۔۱۵۶ھ/۰۰۔۷۷۳ء) اور ایک جماعت کو نام بنام بیان کیا ہے اور کہا کہ یہ مرجئہ (ضالہ) میں سے ہیں۔ میں کہتا ہوں ارجاء جلیل القدر علماء کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔ اس عقیدے کو اختیار کرنے اور اس کے ماننے والوں پر زیادتی کرنا اور ارجاء کا الزام ان پر دھرنا مناسب نہیں۔

ارجاء کے مسئلے میں بعض حنفی حفاظ کے غلو اور ان کی بعض نامناسب تعبیرات نے اہل علم پر برا اثر ڈالا، چنانچہ شیخ الحرم حافظ عبدالمجید بن عبدالعزیز مکی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۰۶ھ) جو بڑے عابد و زاہد بھی تھے، لیکن ارجاء کے مسئلے میں حد سے تجاوز کر گئے تھے، چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ موصوف کے متعلق فرماتے تھے:

"كان فيه غلو في الإرجاء"

موصوف ارجاء میں حد سے بڑھ گئے ہیں اور علامہ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ موصوف کے متعلق رقمطراز ہیں کہ:

ارجاء کے مسئلے میں گرفتار اس شخص سے اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے اور ہمیں اور

۱۔ میزان الاعتدال کے مطبوعہ نسخوں میں "عمرو بن ذی" چھپا ہے، صحاح ستہ کے رواۃ میں اس نام کا کوئی راوی ہمیں نہیں معلوم والصحیح ما اثبتناہ۔

۲۔ میزان الاعتدال: ۴ر۹۹ ترجمہ مسعر۔

تمہیں سنت کی مخالفت سے بچائے۔اس امت کے کثیر تعداد میں علما ارجاء کے قائل تھے، انہوں نے اپنے اس قول (انا مومن حقاً عنداللّٰہ الساعة) میں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک یقیناً مومن ہوں کو اپنا کیوں مذہب نہیں بنایا، اس حقیقت کے اعتراف کے باوجود کہ وہ نہیں مانتے کہ مومن کا خاتمہ ایمان پر ہوگا یا کفر پر، مذکورہ بالا جملہ زبان سے نکالنا بدعت ہے۔(یعنی متقدمین مرجئہ نے جب یہ قول (انا مومن حقاً الخ) اختیار نہ کیا تو متاخرین کا اس قول کو اختیار کرنا بدعت ہے)اور غالی مرجئہ کی یہ بات بھی بہت سخت ہے کہ ایمان صرف دلوں کا اعتقاد ہے، نماز کا چھوڑنے والا، زکوٰۃ نہ دینے والا، شراب کا پینے والا، لوگوں کو جان سے مارنے والا، زنا کرنے والا، ایسے تمام لوگ کامل الایمان ہیں، یہ جہنم میں نہیں جائیں گے، اور انہیں کبھی عذاب نہ ہوگا۔

انہوں نے شفاعت کی متواتر حدیثوں کو رد کیا، ہر فاسق و فاجر کو، ہر ڈاکو کو، برباد اور تباہ کرنے والی باتوں پر دلیرانہ عمل کرنے کا پروانہ دے رکھا ہے، رسوائی سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔[1]

فطانت، ذہانت، سبب حسد

مذکورۂ بالا خوبیوں سے آراستگی کے باوجود ان سے حسد کیا جاتا ہے اور امام موصوف کی طرف ایسی باتوں کی نسبت کی جاتی ہے، جو ان میں نہیں ہیں اور ان کی نسبت ایسی باتیں گھڑی جاتی ہیں، جو ان کی شان کے لائق ہی نہیں ہیں، حالانکہ علماء کی ایک جماعت نے امام موصوف کی تعریف کی اور ان کی عظمت و فضیلتِ شان کو بیان کیا ہے،[2] ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: وہ اہل علم جنہوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے، انہوں نے امام موصوف کی توثیق کی ہے، ان کی تعریف کرنے والوں کی تعداد مذمت کرنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔

۱- سیر اعلام النبلاء: ۹؍۳۳۶۔ ۲- جامع بیان العلم: ۲؍۱۴۷۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر نکتہ چینی کے دو اہم سبب

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر نکتہ چینی کا ایک سبب موصوف کا رائے و قیاس (فقہی بصیرت) سے زیادہ کام لینا ہے۔ دوسرا ارجاء کا قائل ہونا ہے۔

اسلاف میں بڑائی کا معیار

اسلاف میں بڑائی کا معیار لوگوں کا ان کے متعلق متضاد رائے رکھنا ہے، اور یہ مشہور بات ہے کیا تم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف نہیں دیکھتے؟ ان دو گروہ میں ایک حد سے زیادہ چاہنے والا، دوسرا حد سے زیادہ بغض و کینہ رکھنے والا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ: "دو آدمی برباد ہوں گے (ایک) حد سے زیادہ محبت کرنے والا (دوسرا) کینہ رکھنے والا اور بہتان باندھنے والا"، قدر و منزلت رکھنے والوں کی یہی صفت ہوتی ہے جو دینداری و فضل و کمال میں انتہا کو پہنچتے ہیں۔ (1)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر طعن و تشنیع کا ثمرہ

بایں ہمہ فضل و کمال اور قبولیت و شہرت، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر بہت طعن و تشنیع کی گئی، مستقل کتابیں اور رسالے لکھے گئے، لیکن اس کا جو نتیجہ نکلا اس کے متعلق محقق عبدالعزیز رحمہ اللہ (المتوفی ۷۳۰ھ) "شرح اصول بزدوی" میں تحریر فرماتے ہیں:

"وقد طعن الحساد في حقه بهذا الجنس كثيراً، حتى صنفوا في طعنه كتباً و رسائل، ولكن لم يزده طعنهم إلا شرفاً و علواً، ورفعة بين الأنام و سمواً، فشاع مذهبه في الدنيا، و اشتهر و بلغ أقطار الأرض نور علمه و انتشر (2)

اور حاسدوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق اس قسم کے بے سروپا اعتراضات بہت کیے ہیں، لیکن اس طعن و تشنیع نے ان کی عزت و شرف میں اضافہ کیا، اور خلق خدا میں ان کی سرفرازی اور بلندی کو بڑھایا، چنانچہ امام کا مذہب دنیا میں خوب پھیلا، پھلا پھولا اور چار دانگ عالم میں ان کے علم کی روشنی پہنچی اور ان کے علم کی خوب نشر و اشاعت ہوئی۔

۱- ایضاً ص ۱۴۸، ۱۴۹۔ ۲- کشف الاسرار: ۲/۴۳۳۔

مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ

تقلید مجتہدین خیر القرون میں!

عقل و شرع دونوں کا فتویٰ ہے اور سب کو معلوم بھی ہے کہ نادان اور دانا، عالم اور جاہل، خاصی اور عامی کسی امر کی حقیقت معلوم کرنے میں برابر نہیں، خواہ اس امر کا تعلق علوم دنیوی سے ہو یا علوم دینی سے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ، إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ"(1)

"آپ فرما دیجیے! کہیں برابر ہوتے ہیں علم والے اور بے علم، سوچتے وہی ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔"

فارسی کی مشہور مثل ہے: "علم شے بہ از جہل شے" اسی لیے بے علم کو یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ ہر معاملے میں اہل علم سے رجوع کیا کرے، شریعت میں تو اس کی اور زیادہ تاکید ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:

"فَاسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ"(2)

"سو پوچھ لو یاد رکھنے والوں سے اگر تم علم نہیں رکھتے۔"

اور حدیث نبوی ﷺ میں وارد ہے:

"شفاء العی السوال"(3)

1۔ سورۃ الزمر: آیت 9۔ 2۔ سورۃ النحل: آیت 43۔

3۔ (رواہ ابوداؤد: 3/ 237 حدیث 337، وابن ماجہ: 1/ 359 حدیث 572 والحاکم: 1/ 212 والدارقطنی: 1/ 190۔

’’درماندہ کا علاج ہی دریافت کر لیتا ہے۔‘‘

معلوم ہوا کہ غیر اہل علم کو جب بھی ضرورت پیش آئے ’’اہل علم‘‘ سے مسئلہ دریافت کر کے اس پر عمل کرے۔ لیکن شریعت کا مسئلہ بتانا ہر شخص کا کام نہیں، اس کے لیے دینی تفقہ کی ضرورت ہے، جو شخص فقیہ نہ ہو اس کا فتویٰ قابل قبول نہیں، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

’’وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ‘‘۔ (۱)

’’اور ایسا تو نہیں کہ سارے ہی مسلمان نکل کھڑے ہوں، پھر کیوں نہ نکلا ہر جماعت میں سے ان کا ایک حصہ، تاکہ وہ دین میں سمجھ پیدا کریں اور جب اپنی قوم کی جانب لوٹ کر آئیں تو ان کو ڈرائیں، تاکہ وہ (خدا کی نافرمانی سے) بچتے رہیں‘‘۔

اس آیت شریفہ سے واضح ہوا کہ ’’اِنذار‘‘ خدا کے حکموں سے ڈرانا، اور اس کے احکام کی تبلیغ کرنا، اور مسائل شرعیہ کا بتانا ان لوگوں کا حق ہے جن کو ’’تفقہ فی الدین‘‘ یعنی دینی مسائل کی سمجھ حاصل ہو، اور خدا کے حلال و حرام اور اس کی مرضی نامرضی کو جانتے ہوں، اور دوسرے لوگوں کا کام ان کے بتلائے ہوئے احکام کے مطابق عمل کرنا ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے:

’’نعم الرجلُ الفقيهُ في الدين إن احتيج إليه نفع، وإن استغنى عنه أغنى نفسَهٗ‘‘۔ (۲)

’’بڑا اچھا ہے وہ شخص جو دین میں فقیہ ہو کہ اس کی طرف حاجت پڑے تو وہ نفع پہنچائے اور اگر اس سے بے نیازی کی جائے تو وہ اپنے آپ کو بے نیاز رکھے‘‘۔

مطلب یہ کہ فقیہ کی شان یہ ہے کہ لوگ اس سے مسئلے پوچھیں تو ان کو نفع ہو اور اگر اس سے استغناء برتیں تو وہ دوسرے کا محتاج نہیں کہ اس کو کسی سے مسئلہ دریافت کرنے کی حاجت ہو۔

۱۔ سورۃ التوبہ: آیت ۱۲۲۔
۲۔ مشکوٰۃ المصابیح: ص ۳۶۔

علمی اصطلاح میں جو شخص فتویٰ دینے کا اہل ہو اور ادلۂ شرعیہ سے احکام شرعیہ کو نکال سکے وہ فقیہ اور مجتہد کہلاتا ہے اور جس میں یہ اہلیت نہ ہو وہ عامی ہے۔ اس کو چاہیے کہ مجتہد کے قول پر عمل کرے اور اس کی تقلید کرے۔ یہ مسئلہ امت مرحومہ کا اجماعی مسئلہ ہے اور اس میں اہل حق کا کوئی اختلاف نہیں ہے، چنانچہ علامہ محدث ابوالحسن صغیر سندھی مدنی رحمہ اللہ ''بهجة النظر شرح نخبة الفكر'' میں فرماتے ہیں:

''وقد أجمع الأمة علي أن العامي مامور باتباع المفتي مع أنه ربما يخبر عن رأيه۔''(1)

''امت کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ عامی کو یہ حکم ہے کہ وہ مفتی کا اتباع کرے، حالانکہ بعض وقت مفتی فتویٰ میں صرف اپنی رائے ہی کا اظہار کرتا ہے۔''

عہد رسالت سے لے کر آج تک امت کا عمل اسی طریق پر ہے، عہد نبوی میں مدینہ منورہ میں تو خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ سے آ کر مسائل معلوم کیا کرتے تھے، لیکن مدینہ منورہ کے علاوہ جو شہر اور بستیاں تھیں، وہاں کے رہنے والے ان حضرات کے فتووں اور فیصلوں پر عمل کرتے تھے، جن کو آنحضرت ﷺ نے وہاں قاضی اور معلم بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت میاں نذیر حسین صاحب دہلوی ''معیار الحق'' میں مولانا حیدر علی صاحب ٹونکی رحمہ اللہ سے ناقل ہیں:

''بر اہل علم مخفی نیست کہ از صحابہ کرامؓ چند صحابہؓ معدود مجتہد بودند و باقی ہمہ مقلد۔''

''اہل علم پر یہ مخفی نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے چند گنے چنے صحابیؓ مجتہد تھے اور باقی سب مقلد۔''(2)

یہ عبارت مولانا حیدر علی صاحب ٹونکی رحمہ اللہ کے اس فتوے کی ہے جس کو میاں صاحب موصوف نے اس تمہید کے ساتھ اپنی کتاب ''معیار الحق'' میں نقل کر کے مسلم

۱۔ بہجۃ النظر: ص ۹۱۔ ۲۔ معیار الحق: ص ۸۳۔

رکھا ہے کہ:

''مولانا مغفور نے ۱۲۷۰ھ میں ایک فتویٰ جواب میں کسی سائل کے تحریر فرمایا تھا اور ۱۲۷۱ھ میں مع مواہیر علمائے ٹونک اور دہلی بقالب طبع آیا تھا، وہ بھی نقل کیا جاتا ہے۔'' (۱)

یہ بھی واضح رہے کہ مولانا حیدر علی صاحب ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت علمی کا اعتراف میاں صاحب مرحوم نے ان الفاظ میں کیا ہے:

''مولوی سید حیدر علی مرحوم ساکن قصبہ ٹونک کہ جو بڑے عالم تبحر، جامع معقول اور منقول، شاگرد رشید مولانا شاہ عبد العزیز اور مولانا شاہ رفیع الدین قدس سرہما کے تھے''۔ (۲)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین'' میں رقم طراز ہیں:

''صحابہؓ و تابعینؒ ہمہ در یک مرتبہ نبودند، بلکہ بعض ایشاں مجتہد بودند و بعض مقلد، قال اللہ تعالیٰ: ''لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ.'' (۳)

''صحابہؓ و تابعینؒ سب ایک مرتبہ کے نہ تھے، بلکہ بعضے ان میں سے مجتہد تھے اور بعضے مقلد، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ضرور معلوم کر لیتے اس امر کو وہ لوگ کہ جو اس امر کی ان میں سے تحقیق کرنے والے ہیں (معلوم ہوا دوسرے لوگ محقق نہیں، مقلد تھے)۔''

غرض صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے دور میں عام لوگ اپنے اپنے شہر کے فقہاء اور اہل فتویٰ کی تقلید کیا کرتے تھے اور ان ہی کے بتائے ہوئے مسئلوں پر عمل کرتے تھے۔ بعد کو جب تبع تابعین رحمہم اللہ کے دور میں علوم اسلامی کی تدوین شروع ہوئی اور اس سلسلے میں علم فقہ کی تدوین بھی کتابی شکل میں عمل میں آئی تو اس دور کی حکومتوں نے اس کو اپنا دستور العمل بنایا اور عوام و خواص نے اسی فقہ مدون پر عمل شروع کر دیا۔ علامہ عز الدین بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

۱۔ ایضاً: ص ۸۱۔ ۲۔ ایضاً: ص ۹۷۔ ۳۔ قرۃ العینین: ص ۲۵۱۔

"إن الناس لم يزالوا من زمن الصحابة إلى أن ظهرت المذاهب الأربعة يقلدون من اتفق من العلماء من غير نكير من أحد." (1)

"بے شک لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد سے لے کر چاروں مذہبوں کے شائع ہونے تک ان علماء کی تقلید کرتے رہے جو اُن کو ملتے، اس امر پر کسی نے نکیر نہیں کی۔"

مجتہدین اگرچہ بہت ہوئے ہیں، لیکن حق تعالیٰ نے جو قبول عام ان ائمہ اربعہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کو نصیب فرمایا، وہ دوسرے ائمہ کو نصیب نہ ہوا۔ شاہ اسماعیل شہید دہلوی رحمہ اللہ "صراط مستقیم" میں فرماتے ہیں:

"امامت در ہر کمال عبارت است از حصول مشابہت تامہ بانبیاء اللہ در آں کمال، مثلاً علم باحکام شرعیہ..... پس مشابہ بانبیاء دراں فن ائمہ مجتہدین مقبولین اند، پس ایشاں را از ائمہ فن باید شمرد مثل ائمہ اربعہ، ہر چند مجتہدین بسیار از بسیار گزشتہ اند، فاما مقبول درمیان جمہور امت ہمیں چند اشخاص اند، پس گویا کہ مشابہت تامہ دریں فن نصیب ایشاں گردید، بناءً علیہ درمیان جماہیر اہل اسلام از خواص وعوام بلقب "امام" معروف گردیدند وبقوت اجتہاد موصوف۔" (2)

"کسی کمال میں امامت کا مطلب یہ ہے کہ اس کمال میں انبیاء اللہ سے مشابہت تامہ حاصل ہوجائے، مثلاً احکام شرعیہ کا علم ہے کہ .....اس فن میں انبیاء علیہم السلام سے مشابہ مجتہدین مقبولین ہی ہیں، لہٰذا ان حضرات کو ائمہ فن میں شمار کرنا چاہیے، جیسے کہ حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ ہیں کہ اگرچہ مجتہدین زیادہ سے زیادہ ہوگزرے ہیں، لیکن جمہور امت کے درمیان مقبول یہی چند حضرات ہیں، پس گویا مشابہت تامہ اس فن میں انہی حضرات کے نصیب میں آئی، اسی بنا پر عامہ اہل اسلام کے درمیان چاہے وہ خواص ہوں یا عوام، یہی حضرات "امام" کے لقب سے معروف اور قوت اجتہاد سے موصوف ہیں۔"

1- عقد الجید: ص ۲۹۔ 2- صراط مستقیم: ص ۹۰۔۹۱۔

ان حضرات ائمہ اربعہ میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تو تابعی ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ تبع تابعی اور امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے تبع تابعین کا زمانہ پایا ہے۔ ان حضرات ائمہ کی فقہ مدون ہونے کے ساتھ ہی امت میں اس پر عمل درآمد شروع ہوگیا اور ان کے عہد سے لے کر آج تک تمام اہل سنت و جماعت ان ہی حضرات کی فقہ کے پیرو ہیں۔ ان حضرات کا اختلاف بھی امت اسلامیہ کے لیے رحمت ہے۔ واضح رہے کہ مجتہد سے اگر کسی مسئلہ میں خطا بھی ہو جائے تو ایک اجر ملتا ہے، ورنہ دوہرا اجر تو اس کا ہے ہی۔ حافظ ابوالمحاسن دمشقی رحمہ اللہ "عقود الجمان" میں فرماتے ہیں:

"اعلم رحمک اللّٰہ ان الأمة المحمدية في جميع بلاد الإسلام من أثناء القرن الثاني إلى زماننا هذا –وهو سنة ثمان وثلاثين وتسع مائة– لايخرج أحد منها إذا كان غير مجتهد عن أن يكون مقلداً لأحد من الأئمة المجتهدين في الفقه لأنهم كلهم على هدىً من اللّٰه تعالى." (1)

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے- اللہ تم پر رحم فرمائے- کہ امت محمدیہ میں تمام بلاد اسلامی میں دوسری صدی کے وسط سے لے کر ہمارے اس زمانے تک- کہ ۹۳۸ھ ہے- کوئی غیر مجتہد شخص ایسا نہیں گزرا کہ جو فقہ میں ائمہ مجتہدین میں سے کسی کا مقلد نہ رہا ہو، کیوں کہ یہ سب حضرات حق تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پر تھے۔"

غرض اواخر عہد تبع تابعین سے لے کر آج تک امت اسلامیہ کا سواد اعظم ان ہی مذاہب اربعہ سے وابستہ رہا ہے۔ میاں نذیر حسین صاحب دہلوی رحمہ اللہ بھی "معیار الحق" میں مذاہب اربعہ کی تقلید کو مباح قرار دیتے ہیں، چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

"باقی رہی تقلید وقت لاعلمی، سو یہ چار قسم ہے: قسم اول واجب ہے اور وہ مطلق تقلید ہے کسی مجتہد اہل سنت کی سے لاعلی التعیین، جس کو مولانا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے "عقد الجید" میں کہا ہے کہ یہ تقلید واجب ہے اور صحیح ہے باتفاق امت........

۱- عقود الجمان: ص ۶۔

قسم ثانی مباح اور وہ تقلید مذہب معین کی ہے، بشرطیکہ مقلد اس تعین کو امر شرعی نہ سمجھے، بلکہ اس نظر سے تعیین کرے کہ جب کہ امر اللہ تعالیٰ کا واسطے اتباع اہل ذکر کے عموماً صادر ہوا ہے، تو جس ایک مجتہد کا اتباع کریں گے اسی کی اتباع سے عہدۂ تکلیف سے فارغ ہو جائیں گے اور اس میں سہولت بھی پائی جاتی ہے۔''(۱)

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے اور مذاہب اربعہ پر جمع ہو جانے کی برکت کہ جتنے اساسی گمراہ فرقے نکلے وہ ان چاروں مذاہب پر لوگوں کے جمع ہو جانے سے پہلے پہلے نکلے۔ جب سے لوگوں نے مذاہب اربعہ کی پیروی شروع کی، نئے نئے فرقے بننا بند ہو گئے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''تا وقتیکہ مردم بر ہر چہار مذہب استوار نشدند و تقلید ایشاں اختیار نہ کردند ہفتاد و چند فرقہ پیدا شدند و بعد از ایشاں تابعان ہمہ فرقہ ہا باقی ماندند و مذاہب دیگر مخترع نگشت۔'' (۲)

جس وقت تک کہ لوگ چاروں مذہب پر پختہ نہ ہوئے تھے اور ان کی تقلید انہوں نے اختیار نہ کی تھی، ستر سے اوپر فرقے پیدا ہوئے اور ان کے بعد تمام فرقوں کے پیرو تو باقی رہے اور دوسرے نئے مذاہب پیدا نہ ہوئے۔''

اہل بدعت، روافض کو ہمیشہ ان مذاہب چہارگانہ کے اختیار کرنے پر اعتراض رہا، چنانچہ ابن مطہر حلی نے ''منہاج الکرامہ'' میں اہل سنت پر یہی اعتراض کیا ہے کہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے یہ چار مذاہب نکال لیے ہیں اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ''منہاج السنہ'' میں اس رافضی کے اس اعتراض کے متعدد جوابات دیئے ہیں اور شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' کے باب دوم میں روافض کے مکائد کی تفصیل بتاتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''کید ہشتاد و پنجم آں کہ طعن کنند بر اہل سنت و جماعت کہ ایشاں مذہب ابو حنیفہؒ و شافعیؒ و مالکؒ و احمدؒ اختیار می کنند۔''(۳)

۱- معیار الحق: ص ۴۱-۴۲۔ ۲- فتاویٰ عزیزی: ۱/۱۶۵۔ ۳- تحفہ اثنا عشریہ: ص ۱۰۹۔

''رافضیوں کا پچاسی واں فریب یہ ہے کہ اہل سنت و جماعت پر طعن کرتے ہیں کہ یہ لوگ ابوحنیفہ، شافعی و مالک اور احمد رحمہم اللہ کا مذہب اختیار کرتے ہیں۔''

اور پھر اس طعن کا اس طرح جواب دیتے ہیں:

''جواب ایں کید آں کہ نبی صاحب شریعت است نہ صاحب مذہب، زیرا کہ مذہب نام راہے است کہ بعض اُمتیاں را در فہم شریعت کشادہ شود و بعقل خود چند قاعدہ قرار دہند کہ موافق آں قواعد استنباط مسائل شرعیہ از ماخذ آں نمایند و لہٰذا محتمل صواب و خطامی باشد و لہٰذا مذہب را بسوئے خدا و جبریل و دیگر ملائکہ نسبت کردن کمال بے خردیست۔''(1)

''اس کید کا جواب یہ ہے کہ نبی صاحب شریعت ہوتا ہے نہ کہ صاحب مذہب، کیونکہ مذہب تو اس راہ کا نام ہے جو بعض امتیوں پر فہم شریعت کے سلسلے میں کھلتی ہے اور پھر وہ اپنی عقل سے چند قاعدے مقرر کرتے ہیں، ان قواعد کے مطابق شرعی مسائل ان کے ماخذ (کتاب و سنت و اجماع و قیاس) سے نکالتے ہیں اور اس لیے مسائل کے نکالنے میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ خدا، جبریل، ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کی طرف مذہب کی نسبت کرنا نہایت بے وقوفی ہے۔ (چنانچہ اللہ و رسول کا دین کہتے ہیں، اللہ و رسول کا مذہب نہیں کہتے)۔''

اس کے بعد فرماتے ہیں:

''مقلد را در اتباع شریعت پیغمبر از توسیط مجتہد ناگزیر است..... پس اہل سنت را در اتباع ابوحنیفہؒ و شافعیؒ چہ گناہ لازم آمد۔''(2)

''مقلد کو پیغمبر کی شریعت پر چلنے کے لیے مجتہد کے واسطے کے بغیر چارہ نہیں.... پس اہل سنت پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کی اتباع کرنے میں کیا گناہ لازم آ گیا۔''

ہندوستان میں بھی جن لوگوں نے تقلید مجتہدین اور مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے پر انکار کیا ہے، وہ روافض ہی کی تقلید کا اثر ہے، چنانچہ گزشتہ صدی میں مولوی عبدالحق بنارسی المتوفی: ۱۲۸۶ھ نے اس سلسلہ میں بڑا سخت فساد برپا کیا تھا، جس کی وجہ

۱-تحفہ اثنا عشریہ: ص ۱۰۹۔ ۲-ایضاً: ۱۱۱۔

سے ہندوستان کے عام مسلمانوں میں سخت انتشار پیدا ہو گیا تھا، یہ مولوی صاحب بھی ایک زمانہ میں تشیع کا شکار رہ چکے ہیں، چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''سلسلة العسجد في ذكر مشائخ السند'' میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''در اواسط عمر بعض تزلزل در عقائد ایشاں و میل بسوئے تشیع و جزء ان معرف است۔''(1)

''اپنی عمر کے درمیانی حصہ میں کچھ تزلزل ان کے عقائد میں اور تشیع وغیرہ کی طرف ان کا میلان مشہور ہے۔''

یہی زمانہ ہے جب موصوف نے ''الدر الفريد في المنع عن التقليد'' لکھی تھی جس کا جواب مولانا تراب علی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''سواء الطريق'' لکھ کر مولوی عبد القادر سندیلی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے چھپوایا تھا، اسی زمانہ میں شیخ احمد اللہ بناری رحمۃ اللہ علیہ نے حرمین شریفین کا سفر کیا تھا اور ۱۲۵۷ ہجری میں وہاں کے علماء سے تقلید مجتہدین کے بارے میں فتاویٰ حاصل کیے تھے اور ان سے ایک سال پہلے منشی حسن علی بناری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۵۶ ہجری میں علمائے حرمین شریفین سے اسی سلسلہ میں استفسار کیا تھا۔ یہی وہ فتاویٰ ہیں جو ''تنبيه الضالين وهداية الصالحين'' کے نام سے اسی زمانہ میں طبع ہوئے تھے اور پھر متعدد بار ان کی طباعت عمل میں آئی۔

مولوی عبد الحق بناری کے متعلق مولانا سید عبد الحی حسنی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۱۳۴۱ھ) نے اپنی کتاب 'معارف العوارف في أنواع العلوم والعارف' میں ـ جو ''الثقافة الإسلامية في الهند'' کے نام سے دمشق سے ۱۳۷۷ھ میں شائع ہوئی ہے ـ جو اظہار خیال فرمایا ہے وہ درج ذیل ہے، فرماتے ہیں:

''ومنهم من سلک مسلک الإفراط جداً وبالغ في حرمة التقليد وجاوز عن الحد، بدع المقلدين وأدخلهم في أهل الأهواء، ووقع في أعراض الأئمة لاسيما الإمام أبي حنيفةؒ وهذا مسلک الشيخ عبد الحق بن

1- سلسلة العسجد، ص ۳۶۔

فضل اللّٰہ البنارسی والشیخ عبد اللّٰہ الصدیقی الإلٰہ آبادی وغیرهما۔"[1]

"اوران میں سے بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے سخت زیادتی کا راستہ اختیار کیا، تقلید کی حرمت میں مبالغہ سے کام لے کر حد سے بڑھ گئے، مقلدین کو بدعتی ٹھہرایا اوران کو اہل ہوا میں داخل کیا اور ائمہ کی اہانت کی، خصوصاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی، شیخ عبدالحق بن فضل اللہ بنارسی اور شیخ عبداللہ صدیقی الہ آبادی وغیرہ کا یہی طریقہ ہے۔"

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ بنارسی کے بارے میں جو رائے ظاہر کی ہے، اس سے ناظرین بنارسی صاحب کی کارگزاری کا پوری طرح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو افراط وتفریط سے بچائے۔ واللّٰہ یقول الحق وهو یهدی السبیل

(بشکریہ بینات، ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ۔ فروری ۲۰۱۶ء)

1۔ معارف العوارف: ص ۱۰۴۔

اشاریہ

☆آیاتِ قرآنیہ

☆احادیثِ مبارکہ

☆اسماءالرجال والنساء

☆اسماءاماکن

☆اسماءکتب

☆مصادر ومراجع

آیاتِ قرآنیہ

احادیث

اسماء رجال

﴿ا﴾

﴿ب﴾

﴿ت﴾

﴿ث﴾

﴿ج﴾

﴿ح﴾

﴿خ﴾

﴿س﴾

﴿ش﴾

﴿ع﴾

﴿ن﴾

﴿نساء﴾

امرأۃ خثعمیہ (......ھ/......ء) ۳۳

ام سلمہ، ہند بنت سہل بصری ابی امیہ (۲۸ق ھ-۶۲ھ/۵۹۶-۶۸۱ھ) ۳۱

عائشہ بنت ابی بکر الصدیق (۹ق ھ-۵۸ھ/۶۱۳-۶۷۸ء) ......۳۲،۳۱-۶۰،۶۱،۶۵،

۸۷،۸۸

کتابوں کے نام

اسماء اماکن

مصادر ومراجع

﴿ ا ﴾

۱۔ ارشاد طلاب الحقائق الی معرفۃ سنن خیر الخلائق: نووی، المدینۃ المنورۃ، مکتبۃ الایمان طبعۃ ۱۴۰۸ھ

۲۔ احکام القرآن جصاص، مصر، ۱۳۴۷ھ۔

۳۔ اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ: صیمری، بیروت، عالم الکتاب طبعۃ ۱۴۰۵۔

۴۔ اسلامی کتب خانے عہد عباسی میں: تالیف راقم السطور، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۰۰ھ۔

۵۔ اصول الدین: عبد القادر البغدادی، استانبول، مطبعۃ الدولۃ ۱۳۴۶ھ۔

۶۔ اصول السرخسی، مصر، دار الکتاب العربی، ۱۳۷۲ھ۔

۷۔ اصول الفقہ جصاص تحقیق محمد تامر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۰ھ۔

۸۔ اعلام الموقعین عن کلام رب العالمین: ابن القیم الجوزیہ، بیروت، دار الجیل۔

۹۔ اقوام المسالک فی بحث روایۃ مالک وروایۃ ابی حنیفۃ عن مالک: محمد زاہد الکوثری، طبعہ ۱۴۰۸ھ۔

۱۰۔ اکمال المعلم بفوائد مسلم: قاضی عیاض، تحقیق یحیی اسماعیل، المنصورۃ، طبعۃ، دار الوفاء، ۱۴۱۹ھ۔

۱۱۔ الاجتہاد فی الشریعۃ الاسلامیہ وبحوث اخری: ادارۃ الثقافۃ والنشر بالجامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ۱۴۰۴ھ۔

۱۲۔ الاحکام فی اصول الاحکام: ابن حزم، القاہرۃ، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، طبعۃ ۱۳۴۷ھ۔ (ولہ) الرسالۃ الثالثۃ، اصحاب الفتیا من الصحابۃ ومن بعدہم علی مراتبہم فی کثرۃ الفتیا: تحقیق سید حسن کردی، بیروت، دارالکتب العلمیہ، طبعۃ ۱۳۵۱۔

۱۳۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ: لابن حجر، مصر، مطبعۃ السعادۃ، ۱۳۲۸ھ۔

۱۴۔ البحر المحیط: زرکشی: کویت، دارالصفوۃ، ۱۴۱۳ھ۔

۱۵۔ الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الفقہاء: ابن عبدالبر: مصر، مکتبۃ القدسی، ۱۹۳۰ء۔

۱۶۔ الانساب: التعلیق، عبد اللہ عمر البارودی، بیروت، مرکز الخدمات والابحاث الثقافیہ، طبعۃ ۱۴۰۸۔

۱۷۔ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف: شاہ ولی اللہ دہلوی: لاہور، ھیئۃ الاوقاف بحکومۃ البنجاب، ۱۹۷۱ء۔

۱۸۔ الجامع لاحکام القرآن: قرطبی، القاہرہ، مطبعۃ دارالکتب المصریہ، ۱۹۳۹

۱۹۔ الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ: ابن ابو الوفاء: حیدر آباد دکن، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیہ، ۱۳۳۲ھ۔

۲۰۔ الحاوی للفتاوی، سیوطی بیروت، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔ (لہ) الکنز المدفون فی الفلک المشحون۔

۲۱۔ الرسالہ: امام الشافعی، تحقیق خالد السبع العلی، زہیر شفیق الکبی بیروت، دارالکتاب العربی، ۱۴۲۱ھ

۲۲۔ الطبقات الکبریٰ: ابن سعد: بیروت، دار صادر، طبعۃ ۱۳۷۶ھ۔

۲۳۔ الفہرست: ابن ندیم تحقیق رضا تجدد، کراچی، نور محمد اصح المطابع، ۱۹۹۰ء۔

۲۴۔ الکامل فی ضعفاء الرجال: عبداللہ بن عدی الجرجانی، بیروت، دارالفکر۔

۲۵۔ الکفایہ فی علم الروایہ: خطیب: حیدر آباد دکن، دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۵۷ھ۔

۲۶۔ المحدث الفاصل بین الراوی والواعی: للرامہرمزی: بیروت، دار الفکر ۱۴۰۴ھ۔

۲۷۔ المحرر فی اصول الفقہ: للامام السرخسی۔ بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ۔

۲۸۔ المستدرک علی الصحیحین: حاکم، ومعہ تلخیص الذہبی وکتاب الدرک لتخریج المستدرک :ابن حجر: بیروت، دار المعرفہ، ۱۹۵۸ء۔

۲۹۔ المصنف لابن ابی شیبہ: کراچی ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، ۱۴۰۶ھ۔

۳۰۔ المصنف لابی بکر عبدالرزاق: بیروت، المکتب الاسلامی ۱۳۹۱ھ۔

۳۱۔ المقنع فی علوم الحدیث: ابن الملقن، مکہ، دار الملفو از للنشر ۱۴۱۳ھ۔

۳۲۔ الوصول الی قواعد الاصول: محمد بن عبداللہ التمرتاشی الغزی الحنفی، طبعہ، بیروت دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۶ھ۔

﴿ب﴾

۳۳۔ بذل المجہود فی حل ابی داؤد: شیخ خلیل احمد، معہ التعلیقات شیخ محمد زکریا الکاندھلوی، کراچی، طبعہ، معہد الخلیل الاسلامی ۱۳۹۳ھ۔

۳۴۔ بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز: مجد الدین الفیروزآبادی، القاہرہ، لجنہ، احیاء التراث الاسلامی، ۱۳۸۵ھ

۳۵۔ بہجۃ النظر شرح نخبۃ الفکر: ابوالحسن صغیر سندھی مدنی، مطبع لاہوری، ۱۳۰۹ھ۔

﴿ت﴾

۳۶۔ تاریخ الاسلام: ذہبی: تحقیق بشار عواد، دار الغرب الاسلامی طبعہ اولی۔

۳۷۔ تاریخ الثقات: عجلی: طبع ۱۴۰۵ھ۔

۳۸۔ تاریخ بغداد: خطیب بغدادی، بیروت، دار الکتب العربی طبعۃ ۱۴۰۷ھ۔

۳۹۔ تبییض الصحیفہ، سیوطی، طبع دائرۃ المعارف النظامیہ ۱۳۳۴ھ۔

۴۰۔ تحفہ اثنا عشریہ: شاہ عبد العزیز، طبعۃ نول کشور لکھنؤ ۱۳۰۱ھ۔

۴۱۔ تخریج احادیث اصول البزدوی: حافظ قاسم ابن قطلوبغا، کراچی، نور محمد ۱۳۸۲ھ، یہ اصول البزدوی کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔

۴۲۔ تدریب الراوی فی شرح التقریب النووی: سیوطی، تحقیق عبد الرؤف عبد اللطیف، بیروت، دار الکتب الحدیث، ۱۳۹۰ھ۔

۴۳۔ تذکرۃ الحفاظ: ذہبی دار احیاء تراث العربی طبع ۱۹۵۵ء۔

۴۴۔ ترجمہ مسلم: وحید الزمان۔

۴۵۔ تعجیل المنفعۃ بزوائد رجال الائمۃ الاربعۃ: ابن حجر عسقلانی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ۔

۴۶۔ تفسیر القرآن العظیم، مصر، مصطفیٰ البابی، ۱۳۵۶ھ۔

۴۷۔ تہذیب الکمال: مزی، بیروت، دار الفکر، طبعۃ ۱۴۱۴ھ۔

۴۸۔ تہذیب التہذیب: ابن حجر العسقلانی: بیروت، دار الفکر، طبعۃ ۱۴۰۴ھ۔

﴿ج﴾

۴۹۔ جامع المسانید: خوارزمی، حیدر آباد دکن، ۱۳۳۲ھ۔

۵۰۔ جامع الترمذی: دہلی، مطبع احمدی، ۱۲۶۶ھ۔

۵۱۔ جامع بیان العلم وفضلہ: ابن عبد البر، المکتبۃ العلمیۃ بالمدینۃ المنورۃ۔

﴿د﴾

۵۲۔ حجۃ اللہ البالغہ: شاہ ولی اللہ دہلوی، کراچی، قدیمی کتب خانہ۔

۵۳۔ حلیۃ الاولیاء و طبقات المحدثین: ابو نعیم الاصفہانی، تحقیق مصطفی عبد القادر عطاء، بیروت دار الکتب العلمیہ۔

﴿ر﴾

۵۴۔ رسالۃ فی الرواۃ الثقاۃ المتکلم فیھم ممالا یوجب ردھم: ذہبی، کراچی، الرحیم اکیڈمی، ۱۴۱۲ھ۔

۵۵۔ رفع الملام عن الائمۃ الأعلام: ابن تیمیہ الجوزی، دمشق، ۱۹۳۰۔

﴿ز﴾

۵۶۔ زاد المعاد: ابن القیم الجوزیہ، بیروت، مکتبۃ المنار الاسلامیہ

﴿س﴾

۵۷۔ سلسلۃ العسجد فی ذکر مشائخ السند: صدیق حسن خان، طبع بھوپال ۱۲۹۲ھ۔

۵۸۔ سنن ابن ماجہ: تحقیق بشار عواد، بیروت، طبعۃ، دار الجیل، ۱۴۱۸ھ۔

۵۹۔ سنن ابو داود: تحقیق محمد عوامہ، بیروت، طبعۃ، موسسۃ الریان، ۱۴۲۵ھ۔

۶۰۔ سنن الترمذی: تحقیق بشار عواد، بیروت، مطبعۃ، دار الغرب الاسلامی ۱۹۹۸۔

۶۱۔ سنن الدار قطنی بیروت، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع ۱۴۱۴ھ۔

۶۲۔ سنن الدارمی: تحقیق سید ابراہیم وعلی محمد علی، قاہرہ، طبعۃ، دار الحدیث، ۱۴۲۰ھ۔

۶۳۔ سنن الکبری: بیہقی، ملتان، نشر السنۃ۔

۶۴۔ سنن نسائی: دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

۶۵۔ سیر اعلام النبلاء: ذھبی، تحقیق شعیب الأرنووط، بیروت، موسسۃ الرسالۃ، طبعۃ ۱۴۰۴ھ۔

﴿ش﴾

۶۶۔ شذرات الذھب فی اخبار من ذھب: ابن العماد الحنبلی: بیروت، دار احیاء التراث العربی۔

۶۷۔ شرح فتح القدیر: ابن ہمام،

۶۸۔ شرح معانی الاثار: طحاوی کتاب الزکوۃ باب الخیل السائمۃ، کراچی ایچ ایم سعید۔

۶۹۔ شرح نخبۃ الفکر: ابن حجر العسقلانی، الرحیم اکیڈیمی، کراچی ۱۴۲۱۔

﴿ص﴾

۷۰۔ صحیح ابن خزیمۃ: بیروت المکتب الاسلامی ۱۴۱۲ھ۔

۷۱۔ صحیح البخاری: تحقیق وتخریج یوسف الحاج احمد، دمشق الشام، مطبعۃ دار العلم الحدیث۔

۷۲۔ صحیح المسلم: تحقیق شیخ مامون شیحا، بیروت، مطبعۃ، دار المعرفۃ، ۱۴۲۳۔

۷۳۔ صراط مستقیم: شاہ اسماعیل،، مطبع مظہری کلکتہ، ۱۲۶۵ھ۔

﴿ط﴾

۷۴۔ طبقات الفقہاء: شیرازی، بغداد، المکتبۃ العربیۃ، ۱۳۵۶ھ۔

﴿ع﴾

۷۵۔ عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید: شاہ ولی اللہ دہلوی، طبع مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۴۴

۷۶۔ عقود الجمان: ابو المحاسن دمشقی، طبع حیدر آباد دکن، ۲۳۹۴ھ۔

﴿ف﴾

۷۷۔ فتاویٰ عزیزی: شاہ عبدالعزیز، دہلی مطبع مجتبائی، ۱۳۴۱ھ۔

۷۸۔ فتح الغفار بشرح المنار: ابن نجیم، مصر، طبعۃ مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۵۵ھ۔

۷۹۔ فتح القدیر الجامع بین فنی الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر شوکانی، مصر، مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۳۹ھ۔

﴿ق﴾

۸۰۔ قواطع الادلۃ فی الاصول: منصور بن احمد السمعانی، تحقیق محمد حسن، مکہ، عباس احمد الباز۔

﴿ک﴾

۸۱۔ کتاب الثقات: ابن حبان، بیروت، دارالفکر، ۱۴۱۰ھ۔

۸۲۔ کتاب الضعفاء الکبیر: محمد بن عمرو العقیلی، بیروت، دارالکتب العلمیہ۔

۸۳۔ کتاب العلل و معرفۃ الرجال، احمد بن حنبل، استانبول، المکتبۃ الاسلامیہ، ۱۹۸۷ء۔

۸۴۔ کتاب اللمع: ابو اسحاق شیرازی الشافعی، تحقیق محی الدین دیب مستو و یوسف علی بدیوی، دار ابن کثیر، ط ۱۴۱۶/۱۹۹۵۔

۸۵۔ کتاب اللمع فی اصول الفقہ، مصر، مصطفی البابی الحلبی، ۱۹۳۹ء

۸۶۔ کتاب المدہش: ابن الجوزی، بیروت، عباس احمد الباز۔

۸۷۔ کتاب المعین فی طبقات المحدثین: عمان، دارالفرقان، ۱۹۸۴ء۔

۸۸۔ کشاف اصطلاحات الفنون، لاہور، سہیل اکیڈیمی ۱۹۹۲۔

۸۹۔ کشف الاسرار علی اصول فخر الاسلام البزدوی: کراچی الصدف پبلشرز۔

۹۰۔ کنز الوصول الی معرفۃ الاصول بلمزدوی، کراچی، اصح المطابع، ۱۳۸۶ھ

﴿م﴾

۹۱۔ ماتمس الیہ الحاجہ لمن یطالع سنن ابن ماجہ: عبد الرشید النعمانی، کراچی، طبع نور محمد۔

۹۲۔ مجموعہ فتاوی: شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ، الریاض۔ ۱۳۹۳ھ

۹۳۔ مختصر الطحاوی: احمد بن محمد الطحاوی، القاہرہ، دار الکتاب العربی، ۱۳۷۰ھ۔

۹۴۔ مسند ابوداؤد طیالسی تحقیق محمد حسن محمد حسن اسماعیل، بیروت، دار الکتب العلمیہ ۲۰۰۴ء۔

۹۵۔ مسند احمد: بیروت، طبعۃ، مؤسسۃ الرسالہ ۱۴۲۹ھ۔

۹۶۔ مشکوۃ المصابیح: فراء البغوی، کراچی، قدیمی کتب خانہ۔

۹۷۔ معارف العوارف فی العلوم والعوارف: عبد الحی لکھنوی، دمشق ۱۳۷۷ھ۔

۹۸۔ معالم السنن: خطابی، بیروت، دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۶ھ۔

۹۹۔ معرفۃ علوم الحدیث: حاکم، التعلیق، سید معظم حسین، قاہرہ، دار الکتب المصریہ۔

۱۰۰۔ معیار الحق: نذیر حسین دہلوی طبع مطبع رحمانی دہلی، ۱۳۳۷ھ۔

۱۰۱۔ مقدمہ ابن الصلاح ومحاسن الاصطلاح: القاہرہ، دار المعارف طبع ۱۴۱۱ھ۔

۱۰۲۔ مقدمہ الجرح، والتعدیل: رازی، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ بحیدر آباد دکن، طبعۃ ۱، ۱۳۷۱ھ

۱۰۳۔ مقدمۃ کتاب التعلیم: مسعود بن شیبہ السندیؒ، حیدر آباد السندھ، لجنۃ احیاء الادب السندی، ۱۹۶۵ء۔

۱۰۴۔ مکانۃ الامام ابی حنیفۃ فی الحدیث: محمد عبدالرشید النعمانی، دارالبشائر الاسلامیہ، ۱۴۱۵ھ۔

۱۰۵۔ مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ: ذہبی، مصر، دارالکتاب العربی، ۱۳۶۶ھ۔

۱۰۶۔ مناقب الامام الاعظم لصدر الائمہ، موفق بن احمد المکی، کوئٹہ، مکتبہ اسلامیہ، ۱۴۰۷ھ

۱۰۷۔ میزان الکبریٰ، مصر، شعرانی، المطبعۃ الحسینیہ، ۱۳۳۱ھ۔

۱۰۸ میزان الاعتدال: ذہبی، تحقیق علی محمد البجاوی وفتحیہ علی البجاوی، طبعۃ دارالفکر العربی

﴿ن ـ و﴾

۱۰۹۔ نیل الاوطار: شوکانی، تحقیق، عصام الدین الصبابطی، قاہرہ، دارالحدیث۔

۱۱۰۔	وفیات الاعیان: لابن خلکان، تحقیق احسان عباس، بیروت، دارصادر

صحت نامہ

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	درست
ص ۵	س ۲	یزید بن حبیب مصری	یزید بن ابی حبیب مصری
ص ۸	س ۱۵، ۱۶	کہ	کے
	۱۸، ۱۹		
ص ۸	س ۱۲	اس ادائیگی	اس قرض کی ادائیگی
ص ۹	س ۱	کہ	کے
ص ۹	س ۲	حوالہ نمبر (۱)	صحیح ترمذی ۱۹۳/۱، باب ما جاء فی الغسل
ایضاً	س ۵	اس کی معاش کا اس خوبی	اس کی معاش کی خوبی
ص ۱۷	س ۶	صحابہ کرام گذر کر	صحابہ کرام سے گذر کر
ایضاً	س ۹	پہلا سبب یہ ہے	پہلا سبب یہ ہے کہ
ص ۲۲	س ۱۹	حضرت ابو سعید خدریؓ روایت ہے کہ	حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ
ص ۲۵	س ۱۳-۱۵	کہ	کے
ص ۲۲	س ۲۳	حوالہ نمبر (۳)	حوالہ (۲)
ص ۲۳	س ۵	رنگ روپ کا پہلو	رنگ و روپ کے پہلو
ص ۲۶	س ۳۲	کا فرق کی ہے	کا فرق کرتے ہے
ص ۳۳	س ۱۰	علامہ ابن قیم الجوزیہ (۷۵۱ھ ص ۱۹۶)	علامہ ابن قیم الجوزیہ (۷۵۱ھ ص ۱۳۵)
ص ۳۹	س ۶	اکثم بن عمرین	اکثم بن عمرین
ص ۴۳	س ۲	صحابہ کرام ے	صحابہ کرام سے
ص ۵۲	س ۲۰	امام ابوبکر ابو الجصاص	امام ابوبکر الجصاص
ص ۵۲	س ۳۰	المعتزلین	المعتزلین
ایضاً	س ۲۱	عبداللہ بن مسعودؓ روایتی معیار	عبداللہ بن مسعودؓ کا روایتی معیار
ص ۷۰	س ۱۹	یہاں امر ملحوظ خاطر	یہاں یہ امر ملحوظ خاطر رہے
ص ۱۰۴	س ۱۳	اس نے امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا	انہوں نے امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا
ص ۱۰۷	س ۶	کسی کا میں کسی کا تبع و مقلد نہیں	میں کسی کا مقلد نہیں
ص ۱۱۰	س ۱۲	حوالہ نمبر (۲)	اصول الجصاص ص ۱۲۰/۲
ص ۱۱۲	س ۱۸	حوالہ نمبر (۴)	یہ حاشیہ اگلے صفحے پر ہے
ص ۱۳۳	س ۱۷	حافظ ابو العباس احمد عقدۃ	حافظ ابو العباس احمد بن عقدۃ

نوٹ: صفحات کو ترتیب دیتے ہوئے ایک نمبر آگے کے صفحے کا لگ گیا ہے لہذا قارئین پچھلے صفحے کے حساب سے عنوان اور فہرست نمبر تلاش کریں۔
مزید اس کے علاوہ جہاں کہیں کچھ کتابت کی غلطی پائی جائے تو قارئین سے گزارش ہے کہ اس پر ضرور مطلع کریں تاکہ اگلے ایڈیشن میں ان غلطیوں کو درست کردیا جائے۔ جزاکم اللہ خیرا۔

مکتبۃ الکوثر کی دیگر مطبوعات